اپریل ۱۹۹۷ء

ماہنامہ

میثاق

لاہور

مدیر مسئول

ڈاکٹر اسرار احمد

پاکستان میں نظام خلافت کے کم از کم دستوری تقاضے' او

تنظیم اسلامی کی "مطالبہ دستور اسلامی" کی

امیر تنظیم اسلامی' ڈاکٹر اسرار احمد

تنظیم اسلامی پاکستان کے زیر اہتمام سال ۱۹۹۷ء کے دوران

آئندہ ترمیم شدہ مجوزہ پروگرام

مبتدی / ملتزم رفقاء کے لئے تربیت گاہیں

☆ ۱۱ تا ۱۷/ مئی ۹۷ء	مبتدی / ملتزم	راولپنڈی
☆ ۸ تا ۱۴/ جون ۹۷ء	مبتدی	سرحد
☆ ۲۲ تا ۲۸/ جون ۹۷ء	مبتدی	بیروٹ (مری)
☆ ۶ تا ۱۲/ جولائی ۹۷ء	مبتدی / ملتزم	کراچی
☆ ۱۰ تا ۱۶/ اگست ۹۷ء	مبتدی / ملتزم	ملتان
☆ ۷ تا ۱۳/ ستمبر ۹۷ء	مبتدی	لاہور
☆ ۲۱ تا ۲۷ ستمبر ۹۷ء	ملتزم	لاہور
☆ ۱۲ تا ۱۸/ اکتوبر ۹۷ء	مبتدی	لاہور
☆ ۱۶ تا ۲۲/ نومبر ۹۷ء	مبتدی	لاہور
☆ ۱۶ تا ۲۲/ نومبر ۹۷ء	مبتدی	لاہور
☆ ۱۴ تا ۲۰/ دسمبر ۹۷ء	مبتدی / ملتزم	کراچی

یہ تربیت گاہیں اتوار صبح ۹ بجے شروع ہوا کریں گی اور ہفتہ بعد دوپہر اختتام پذیر ہوا کریں گی۔

(رحمت اللہ بٹر)
ناظم تربیت
تنظیم اسلامی پاکستان

وَاذْكُرُوا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيْثَاقَهُ الَّذِيْ وَاثَقَكُمْ بِهٖٓ اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا (القرآن)

ترجمہ: اور اپنے اوپر اللہ کے فضل کو اور اس کے اُس میثاق کو یاد رکھو جو اُس نے تم سے لیا جبکہ تم نے اقرار کیا کہ ہم نے مانا اور اطاعت کی۔

ماہنامہ

میثاق

لاہور

مدیر مسئول
ڈاکٹر اسرار احمد

جلد :	۴۶
شمارہ :	۴
ذوالحجہ	۱۴۱۷ھ
اپریل	۱۹۹۷ء
فی شمارہ	۱۰/-
سالانہ زرِ تعاون	۱۰۵/-

ادارۂ تحریر

شیخ جمیل الرحمٰن
حافظ عاکف سعید
حافظ خالد محمود خضر

سالانہ زرِ تعاون برائے بیرونی ممالک

- امریکہ 'کینیڈا' آسٹریلیا' نیوزی لینڈ — 22 ڈالر (800 روپے)
- سعودی عرب' کویت' بحرین' قطر عرب امارات' بھارت' بنگلہ دیش' افریقہ' ایشیا یورپ' جاپان — 17 ڈالر (600 روپے)
- ایران' ترکی' اومان' مسقط' عراق الجزائر' مصر' — 10 ڈالر (400 روپے)

ترسیلِ زر: مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور رجسٹرڈ

مقامِ اشاعت : 36۔کے' ماڈل ٹاؤن' لاہور 54700۔فون : 03-02-5869501

مرکزی دفتر تنظیم اسلامی : 67۔گڑھی شاہو' علامہ اقبال روڈ' لاہور' فون : 6305110

پبلشر: ناظم مکتبہ' مرکزی انجمن' طابع : رشید احمد چودھری' مطبع : مکتبہ جدید پریس (پرائیویٹ) لمیٹڈ

مشمولات

☆ **عرض احوال** ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۳

حافظ عاکف سعید

☆ **تذکرہ و تبصرہ** ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۷

پاکستان میں نظام خلافت کے کم از کم دستوری تقاضے
اور تنظیم اسلامی کی "مطالبہ تکمیل دستور اسلامی" کی مہم

ڈاکٹر اسرار احمد

☆ **حقیقت تصوف** (۳) ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۳۴

ڈاکٹر اسرار احمد

☆ پاکستان میں انسداد سود کی کوششوں کی تاریخ ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۴۷
اور مستقبل کے امکانات

حافظ عاطف وحید

☆ **نجوم ہدایت** ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۵۹

حب رسولؐ : حضرت زید بن حارثہؓ

پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

☆ دعوت و تبلیغ کی اہمیت ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۶۶

سید محمد آزاد

☆ **دعوت و تحریک** ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۷۳

تنظیم اسلامی کی مطالبہ تکمیل دستور اسلامی کی مہم کا تعارف

نعیم اختر عدنان

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

عرض احوال

"ہمارا مطالبہ 'ہماری اپیل ___ دستور خلافت کی تکمیل!"

امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا ہے کہ اگرچہ ملک کے سیاسی مسائل کا موزوں ترین اور پائیدار حل حقیقی صدارتی نظام کے قیام ہی میں مضمر ہے' اس لئے کہ صدارتی نظام زیادہ منطقی بھی ہے اور تمدنی ارتقاء کے بلند تر مرحلے کا مظہر بھی' تاہم موجودہ سیاسی تناظر میں صدر کے خصوصی آئینی اختیارات کے خاتمے اور حقیقی پارلیمانی نظام کی بحالی سے ملک کو سیاسی سطح پر استحکام اور حکومت وقت کو اعتماد حاصل ہو گا۔ طویل عرصہ سے ملک کا سیاسی نظام صدارتی اور پارلیمانی نظام حکومت کا ملغوبہ بن چکا تھا چنانچہ آٹھویں ترمیم کی متنازعہ دفعات کے خاتمے سے یہ دو عملی ختم ہو گئی ہے۔ البتہ آئندہ کسی مرحلے پر اس موضوع پر ریفرنڈم کرایا جاسکتا ہے۔ امیر تنظیم اسلامی نے کہا نواز شریف کی قیادت میں ارکان اسمبلی نے پارلیمنٹ کی بالادستی کی بحالی کے لئے "کمال پھرتی اور کامل اتفاق" کا مظاہرہ کیا ہے مگر شریعت کی بالادستی کی جانب ابھی تک توجہ نہیں ہوئی۔ ڈاکٹر اسرار احمد نے میاں محمد نواز شریف سے مطالبہ کرتے ہوئے کہا ہے کہ وہ پارلیمنٹ کی بالادستی کی بحالی کے بعد ہی سہی' اب قرآن و سنت کی بالادستی کے نفاذ کے لئے آئین میں فوری طور پر چودھویں ترمیم منظور کرائیں۔

امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا ہے کہ میاں محمد نواز شریف آئینی ترمیم کے لئے دستور پاکستان کی دفعہ 2 میں شق ب کا اضافہ کروائیں تا کہ پورے ملک میں ہر سطح پر قرآن و سنت کی مکمل اور غیر مشروط بالادستی کی راہ ہموار ہو سکے۔ مزید بر آں قرار داد مقاصد کے منافی آئینی دفعات کو دستور سے خارج کیا جائے یا انہیں قرار داد مقاصد کے تابع کیا جائے۔ انہوں نے کہا دستور کی دفعہ 203 (ب) کی ذیلی دفعہ (ج) میں ترمیم کر کے وفاقی شرعی عدالت کے دائرہ اختیار سے دستور سمیت عدالتی اور عائلی قوانین کے استثناء کو ختم کیا جائے اور وفاقی شرعی عدالت کے ججوں کی شرائط ملازمت کو ہائی کورٹ اور سپریم کورٹ کے ججوں کے مساوی کیا جائے۔ امیر تنظیم اسلامی نے مطالبہ کیا کہ وزیر اعظم میاں محمد نواز شریف وفاقی شرعی عدالت کے سود سے متعلق فیصلے کے خلاف نظر ثانی کی

اپیل فوراً واپس لینے کا اعلان کریں اور اندرون ملک سود کی ادائیگی توفی الفور بند کر کے آنے والے بجٹ سے ایک بڑے بوجھ کو کم کر دیں اور ایک سال کی مدت کے اندر اندر ملک سے سودی نظام کی لعنت کا مکمل طور پر خاتمہ کر کے اللہ اور رسولؐ سے جاری جنگ بند کریں۔"

یہ ہے وہ اخباری بیان جو کہ امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد نے اسمبلی کے حالیہ اجلاس میں متفقہ طور پر منظور کی گئی تیرھویں ترمیم پر تبصرہ کرتے ہوئے جاری کیا جس کی رو سے دستور میں شامل آٹھویں ترمیم کے ان تمام متنازعہ حصوں کو دستور سے حذف کر دیا گیا جن کی رو سے صدر پاکستان کو وہ غیر معمولی اختیارات حاصل تھے جنہوں نے موجودہ پارلیمانی جمہوری نظام کو صدارتی اور پارلیمانی نظام کے بین بین لا کھڑا کیا تھا کہ موجودہ صورت میں اسے نہ پارلیمانی نظام قرار دیا جا سکتا تھا اور نہ صدارتی! نتیجتاً آئے روز اسمبلیوں کا ٹوٹنا ایک معمول بن چکا تھا اور جمہوری استحکام کا حصول قریباً ناممکن ہو کر رہ گیا تھا ـــــ بلاشبہ نواز شریف حکومت کے اس اقدام کو اگر پاکستان کی سیاسی زندگی کا ایک نمایاں کارنامہ قرار دیا جائے تو غلط نہ ہو گا' تاہم ہماری ـــــ یعنی تنظیم اسلامی اور تحریک خلافت کی ـــــ اصل دلچسپی اس دستوری ترمیم سے ہے جس کے بھرپور مطالبہ کی مہم کا امیر تنظیم اسلامی نے اپنے ۱۴/ مارچ کے خطاب جمعہ سے آغاز فرمایا ہے۔ اس مضمون کا حوالہ سطور بالا میں مذکور امیر تنظیم کے اخباری بیان میں بھی بصراحت موجود ہے۔

امیر تنظیم کے مذکورہ خطاب کو مکمل شکل میں زیر نظر شمارے میں شائع کر دیا گیا ہے۔ تاہم "مطالبہ تکمیل دستور خلافت" کی مہم کے نقطہ نظر سے ندائے خلافت کا حالیہ شمارہ' جس پر ۷/ اپریل ۹۷ء کی تاریخ درج ہے' خصوصی اہمیت کا حامل ہے۔ "میثاق" کے تمام قارئین کے لئے ہمارا مشورہ یہ ہو گا کہ وہ اس شمارے کو ضرور حاصل کریں اور اس مہم میں اپنا حصہ ڈالتے ہوئے اسے زیادہ سے زیادہ عام کرنے کی کوشش کریں۔ اس لئے اس میں نہ صرف یہ کہ ۱۲ مارچ ۴۹ء کو طے پانے والی قرارداد مقاصد کا مکمل متن شائع کر دیا گیا ہے کہ جسے بجا طور پر پاکستان میں نظام خلافت کے قیام کی "خشت اول" قرار دیا جا سکتا ہے بلکہ اس کے بعد اس رخ پر ہونے والی ایک اور اہم پیش رفت یعنی پاکستان میں موجود تمام

مسالک کے چوٹی کے علماء کرام کے پیش کردہ دستور اسلامی کے بائیس متفقہ نکات پر مشتمل تاریخی دستاویز بھی شامل ہے۔ اسی طرح امیر تنظیم کا مرتب کردہ ایک اہم مضمون "پاکستان میں دستور سازی کی تاریخ اور اس میں اسلامی دفعات کی تدریجی شمولیت" بھی مذکورہ شمارے میں شامل ہے۔ ان مضامین کا مطالعہ، پاکستان میں بسنے والے ہر باشعور مسلمان کے لئے جو پاکستان میں نظام خلافت کے قیام کا دل سے آرزومند ہو، ایک ناگزیر ضرورت کی حیثیت رکھتا ہے۔

☆ ☆ ☆

امیر تنظیم اسلامی کے ۲۸/ مارچ کے خطاب جمعہ کا پریس ریلیز

لاہور (پ ر) امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا ہے کہ توحید کا تصور محض ایک عقیدہ ہی نہیں بلکہ اسلام کے فکر و عمل کی بنیاد ہے۔ نظریہ توحید پر پورے طور پر عمل کرنے سے انسان ہر قسم کے خوف اور اندیشہ سے محفوظ ہو جاتا ہے۔ مسجد دارالسلام باغ جناح لاہور میں اپنے خطاب جمعہ میں انہوں نے کہا ہے کہ نظریہ توحید کا اہم ترین گوشہ کائنات پر اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کو تسلیم کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی اسی حاکمیت کو زمین پر عملاً قائم و نافذ کرنے کا ایک نام زمین میں آسمانی بادشاہت ہے جبکہ قرآن نے اسے خلافت کہا ہے۔ ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا قرارداد مقاصد میں پاکستانی قوم نے انفرادی اور اجتماعی دونوں سطحوں پر اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کو ریاستی دستوری سطح پر تسلیم کرنے کا اعلان کیا ہے۔ انہوں نے کہا اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ اختیار کو قرآن و سنت کے دائرے میں رہتے ہوئے اپنے منتخب نمائندوں کے ذریعے استعمال کرنے کے اعلان سے نظام خلافت کا تقاضا دستوری سطح پر پورا ہو جاتا ہے۔

"خلافت" تمام انسانوں کا حق ہے مگر اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کو تسلیم نہ کرنے والے "باغی" انسان خلافت کے حق سے محروم ہو جاتے ہیں۔ ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا سیاست اجتماعی معاملات کو انجام دینے کا نام ہے۔ ختم نبوت سے پہلے اللہ تعالیٰ کے نمائندہ کی حیثیت سے انبیاء ہی یہ فریضہ ادا کرتے تھے اور ہر نبی اپنی ذات میں اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ خلافت کے منصب جلیلہ پر فائز ہوتا تھا مگر ختم نبوت اور تکمیل رسالت کے بعد خلافت کو انسانوں کا اجتماعی حق قرار دے کر انسانیت کو بے مثال آزادی عطا کر دی گئی۔ چنانچہ اب مسلمانوں کو باہمی مشورے سے خلیفہ کے انتخاب کا حق دے دیا گیا۔ شریعت کے دائرے کے اندر رہتے ہوئے کثرت رائے سے فیصلے کرنا اور قانون سازی کرنا غیر اسلامی نہیں ہے۔ ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا قرآن و سنت کے احکامات کو سو فیصد اکثریت بھی بدل نہیں سکتی۔

امیر تنظیم اسلامی نے کہا پچاس سال بعد مسلم لیگ کا از سر نو احیاء ہو چکا ہے چنانچہ اگر اب بھی نواز شریف نے نفاذ اسلام کے لئے فیصلہ کن قدم نہ اٹھایا تو شاید قومی سطح پر ہمارے لئے یہ سنبھلنے کا آخری موقع ثابت ہو۔ انہوں نے کہا ہر مسلمان کا فرض ہے کہ وہ اسلامی ریاست کے قیام کے لئے اپنی تمام تر صلاحیتیں صرف کرے۔ اگر اب بھی اسلامی نظام قائم نہ کیا گیا تو ملک جو پہلے ہی تباہی کے کنارے پہنچ چکا ہے مزید تباہی سے دوچار ہو جائے گا۔ انہوں نے کہا نواز شریف ضیاء الحق کے "سیاسی وارث" ہونے کی حیثیت سے نفاذ اسلام کے کام کو آگے بڑھائیں اور دستور پاکستان میں شامل قرارداد مقاصد کے منافی دفعات کو ختم کر کے قرآن و سنت کی مکمل بالادستی قائم کریں۔

الحمدللہ کہ پاکستان میں نظام خلافت کے قیام کی
خشت اول ۱۲ مارچ ۱۹۴۹ء ہی کو
قرارداد مقاصد

کے حسب ذیل ایمان افروز الفاظ کے ذریعے رکھ دی گئی تھی کہ:

"چونکہ کل کائنات پر حاکمیت کا مالک صرف اللہ ہے جو قادر مطلق ہے' اور پاکستان کے عوام کو جو اختیارات حاصل ہیں وہ ایک مقدس امانت ہیں جو اللہ کی معین کردہ حدود کے اندر اندر ہی استعمال ہو سکتے ہیں ـــــ اور چونکہ یہ پاکستان کے عوام کا عزم مصمم ہے کہ وہ ایک ایسا نظام قائم کریں جس میں ریاست اپنے اختیارات اور اقتدار کا استعمال عوام کے منتخب کردہ نمائندوں کے ذریعے کرے گی' جس میں جمہوریت' آزادی' مساوات' رواداری اور عدل اجتماعی کے ان اصولوں کی پوری پابندی کی جائے گی جو اسلام نے معین کئے ہیں....."

اس لئے کہ ان جامع الفاظ کے ذریعے نہ صرف یہ کہ اللہ کی حاکمیت مطلقہ کے اس دائمی اور اٹل اصول کو جو توحید الٰہی کا لازمی تقاضا ہے' صرف تکوینی ہی نہیں بلکہ تشریعی (Legislative) دائرے میں بھی تسلیم کر لیا گیا ہے' بلکہ خلافت کی اس صورت کو بھی واضح طور پر معین کر دیا ہے جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت و رسالت کے اختتام کا لازمی اور منطقی نتیجہ ہے ـــــ یعنی "خلافت عوام" جسے حضرت عمرؓ نے "امراء المسلمین" کے الفاظ سے تعبیر کیا تھا۔ مزید برآں نظام عدل اجتماعی کے ضمن میں بھی طے کر دیا ہے کہ وہ اسلام کے معین کردہ اصولوں پر مبنی ہو گا۔

لہٰذا اب پاکستان میں اصل مرحلہ
تکمیل دستور خلافت

کا ہے جس کے ضمن میں تنظیم اسلامی و تحریک خلافت پاکستان نے ایک عوامی مطالبہ مہم کا آغاز کیا ہے پاکستان میں نظام خلافت کے قیام کے خواہشمند حضرات سے درخواست ہے کہ وہ اس مہم میں بھرپور حصہ لیں!

(امیر تنظیم اسلامی کی مرتب کردہ عبارت جو "ندائے خلافت" کے حالیہ شمارے کے سرورق پر شائع کی گئی)

تذکرہ و تبصرہ

پاکستان میں نظامِ خلافت کے کم از کم دستوری تقاضے

اور

"تکمیلِ دستورِ اسلامی" کی مطالباتی مہم

امیر تنظیم اسلامی کے ۱۴/ مارچ ۹۷ء کے خطابِ جمعہ سے ماخوذ

خطبۂ مسنونہ' تلاوتِ آیات قرآنی اور ادعیہ ماثورہ کے بعد :

حضرات! آج میں اس مقام پر اپنے اس خطاب جمعہ سے اللہ کے نام کے ساتھ اور اس کی توفیق اور تائید کے بھروسے پر "مطالبۂ تکمیل دستور اسلامی" کی مہم کا آغاز کر رہا ہوں۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ پاکستان کی بانی جماعت مسلم لیگ کو اور اس کے قائد میاں نواز شریف صاحب کو توفیق دے کہ وہ پاکستان میں اقبال اور جناح کے تصورات کے مطابق اسلام کے نظام عدل اجتماعی کے قیام کی صورت میں دستور کی سطح پر آخری اور فیصلہ کن قدم اٹھائیں ؎

ہاں بھلا کر ترا بھلا ہو گا
اور درویش کی صدا کیا ہے!

اس ضمن میں چند وضاحتیں ضروری ہیں' تا کہ ہماری اس مہم کے بارے میں کسی قسم کی کوئی غلط فہمی پیدا نہ ہو سکے۔ سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ یہ مہم جو ہم لے کر اٹھ رہے ہیں' اس میں ہمارے پیش نظر نہ تو سیاسی اعتبار سے کسی کے حریف یا حلیف بننے یا کشاکش اقتدار اور Power Politics میں دخل دینے اور شامل ہونے کا کوئی ارادہ ہے اور نہ ہی انتخابی سیاست میں آنے کا کوسوں دور تک کوئی امکان ہے۔

دوسری وضاحت یہ ہے کہ اصلاً ہماری تمام تر توجہات' خواہ وہ تحریک خلافت کے

پلیٹ فارم سے ہوں یا تنظیم اسلامی کے عنوان سے 'ہمہ گیر اسلامی انقلاب پر مرکوز ہیں' جس میں آج کی دنیا کے اعتبار سے اہم ترین پہلو اقتصادی انقلاب ہو گا۔ اس لئے کہ جب تک اقتصادی ڈھانچہ اسلام کے مطابق نہیں ہوتا اور سرمایہ داری اور جاگیرداری کا جنازہ نہیں نکلتا' اس وقت تک کسی انقلاب کو اسلامی انقلاب نہیں کہا جا سکتا۔ چنانچہ ہمارے پیش نظر ایک ہمہ گیر انقلاب برپا کرنا ہے۔ اس ہمہ گیر اور ہمہ پہلو اسلامی انقلاب کا طریق کار میں بارہا بیان کر چکا ہوں۔ اس کے لئے سب سے پہلے ذہنی و فکری تبدیلی کی ضرورت ہے۔ پھر ایسے لوگوں کی ایک ایسی مضبوط جماعت عملاً تشکیل دی جائے جو سمع و طاعت فی المعروف کی بیعت پر مبنی ہو۔ یہ جماعت کم از کم دو لاکھ ایسے افراد پر مشتمل ہو جو پہلے اپنی معاش اور معاشرت کو منکرات سے پاک کریں اور پھر ایک مضبوط اور منظم جماعت کی شکل اختیار کریں۔ جب یہ تربیت کی بھٹیوں سے گزر جائیں تب باطل نظام کے خلاف جانیں دینے کے لئے میدان عمل میں آ جائیں۔ یہ ہے ہمارا اصل کام اور ہماری توجہات' ہمارے اوقات اور ہماری سرگرمیوں کا اصل ہدف۔ میرے نزدیک اس کے اعتبار سے اہم ترین چیز شیعہ سُنّی مفاہمت ہے۔ یعنی اس انقلاب کی جانب پیش رفت نہیں ہو سکے گی جب تک کہ اہل تشیع اور اہل سُنّت کے مابین مفاہمت کی فضا پیدا نہ ہو جائے۔

پیش نظر انقلاب کے لئے جس جماعت کے قیام اور اس کی جن شرائط کا تذکرہ میں نے کیا ہے وہ جماعت ہم نے "تنظیم اسلامی" کے نام سے قائم کر رکھی ہے۔ جو شخص ہمارے ساتھ آنا چاہے وہ آج ہی اپنی معاش اور معاشرت کو پاک کرنے کا ارادہ کر کے اس کے لئے کوشش شروع کر دے اور پھر سمع و طاعت کی بیعت کر کے تن من دھن کے ساتھ قربانی دینے کے لئے تیار ہو جائے۔ تاہم اس اصل کام کے ساتھ ساتھ' معاشرے میں جو بھی کام ہو رہے ہیں ان میں ﴿تَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ﴾ کے اصول کے تحت ہم ہر نیکی اور بھلائی کے کام میں تعاون اور ہر غلط کام پر تنبیہ کا فریضہ بھی سرانجام دے رہے ہیں۔ اور حدیث نبوی "اَلدِّیْنُ النَّصِیْحَۃُ" کے تحت عامۃ المسلمین اور ائمۃ المسلمین یعنی مسلمانوں کے لیڈروں دونوں کو بھلائی کی بات کہہ رہے ہیں اور کہتے رہیں گے قطع نظر اس سے کہ کوئی لیڈر ہمیں

پسند ہو یا ناپسند' لیکن چونکہ ان کے ہاتھ میں عملاً زمامِ حکومت آگئی ہے اور اگر ان سے کوئی خیر وجود میں آجائے تو اس کا بڑے پیمانے پر ظہور ہو گا اور اگر وہ غلطی کرتے ہیں تو اس کے اثرات پوری ملک و قوم پر پڑیں گے' لہٰذا ہم انہیں صحیح بات بتانا اپنا فرض منصبی سمجھتے ہیں۔

اس نصح و خیر خواہی کے معاملہ میں ہم ائمۃ المسلمین کو عامۃ المسلمین پر مقدم سمجھتے ہیں۔ چنانچہ ہم انہیں ایک مشورہ دیتے اور ایک اچھی نصیحت کرتے ہیں کہ ملکی دستور میں ایک بنیادی تبدیلی لائی جائے اور یہاں اسلامی ریاست کے قیام اور نظام خلافت کے آغاز کے لئے کم از کم دستوری لوازم کی جانب ایک فیصلہ کن قدم اٹھایا جائے۔ یوں تو اسلامی نظام یعنی نظامِ خلافت ایک ہمہ گیر نظام ہے۔ اس کا معاشی پہلو بھی ہے' سماجی پہلو بھی ہے' معاشرتی مسائل بھی ہیں' انفرادی معاملات بھی ہیں' لیکن آج کی دنیا میں اہم ترین دستاویز ریاست کا دستور ہوتا ہے۔ اس لئے کسی بھی نوع کی تبدیلی کا آغاز اسی سے ہوتا ہے۔ باقی ساری چیزیں اس کے تابع ہوتی ہیں۔ قانون سازی اور اختیارات کی تقسیم وغیرہ اسی کے تحت ہوتی ہے۔ اگر کسی ریاست میں پارلیمانی نظام ہے تو وزیر اعظم کے اختیارات' صدر کے اختیارات' نیشنل اسمبلی اور صوبائی اسمبلیوں کے اختیارات کا تعین دستور میں طے ہو گا۔ اس طرح اگر صدارتی نظام ہے تو صدر کی حدود کار کیا ہیں؟ اور اس پر کیا قدغنیں عائد ہو سکتی ہیں' یعنی Checks and balances کا کیا نظام ہو' یہ ساری چیزیں در حقیقت دستور میں موجود ہوتی ہیں۔ لہٰذا ابتداء اس سے کرنی پڑے گی کہ دستور کی سطح پر اسلامی ریاست کے کم از کم تقاضے تو پورے کر دیئے جائیں۔ اگر یہ بنیادی کام کر لیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ آپ نے ایک گیند کو حرکت دے دی ہے' اب وہ گیند چل پڑی ہے اور اب تدریجاً اس سے ان شاء اللہ بہت بڑی تبدیلی برآمد ہو گی۔ لیکن یاد رہے کہ وہ گیند ہوا سے پوری طرح بھری ہونی چاہئے۔ اگر اس میں سے ہوا نکلی ہوئی ہو تو گیند نہیں چلے گی۔ ہمارے ہاں دستوری سطح پر اسلام کی طرف اب تک جو پیش رفت ہوئی ہے' وہ ایسے ہی ہے کہ بغیر ہوا کے گیندوں کو لڑھکانے کی کوششیں کی گئی ہیں' اس لئے اس سے وہ نتیجہ برآمد نہیں ہوا۔

پاکستان میں دستور سازی کی تاریخ
اور مرحلہ وار پیش رفت

اب ذرا اس بات کا جائزہ لے لیا جائے کہ ہمارے ہاں دستور سازی کی تاریخ کیا ہے اور اس میں کس حد تک اور کس کس مرحلے پر اسلام کی جانب پیش رفت ہوئی ہے۔ یہ ایک بڑی تلخ داستان ہے' جسے یہ عنوان دیا جا سکتا ہے کہ ؎

اس سوچ میں کلیاں زرد ہوئیں' اس فکر میں غنچے سوکھ گئے
آئینِ گلستان کیا ہوگا' دستورِ بہاراں کیا ہو گا!

اس کا ایک اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ ۴۷ء میں پاکستان وجود میں آ گیا تھا' لیکن ۵۰ء کے وسط تک تو کچھ بھی معلوم نہیں تھا کہ یہاں کیا دستور بنے گا اور کیسے بنے گا' کسی دستور کا وجود ہی نہیں تھا اور ؏ "خموشی گفتگو ہے بے زبانی ہے زباں میری!" کے مصداق دراصل بے دستوریت ہی ہمارا دستور تھا۔

قراردادِ مقاصد کی منظوری

دستور سازی کی تاریخ میں سب سے بڑی' مستحکم اور معجزانہ پیش رفت ۱۲/ مارچ ۱۹۴۹ء کو قرارداد مقاصد کی منظوری کی صورت میں ہوئی' جس کے الفاظ بنیادی اہمیت کے حامل ہیں۔ اس میں سب سے اہم مسئلہ اور بنیادی بات تو طے ہو گئی کہ حاکمیت کی سزاوار اللہ تعالیٰ کی ذات ہے (Sovereignty belongs to Allah) اور پاکستان کے عوام کے پاس شہریوں کی حیثیت سے جو بھی اختیارات ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک مقدس امانت ہیں۔ ان اختیارات کا استعمال انہی حدود و قیود کے اندر ہو گا جو اصل حاکم یعنی اللہ تعالیٰ نے عائد کر دی ہیں۔ گویا ایک طرح سے اسلامی ریاست کا بنیادی تقاضا طے ہو گیا۔ چنانچہ میرے نزدیک قرارداد مقاصد کے ذریعے ملکی دستور کی سطح پر "لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ" اور "اَشْھَدُ اَنْ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ" کا تقاضا بھرپور طریقے سے پورا ہو چکا ہے۔

اس کے ساتھ ساتھ قراردادِ مقاصد میں یہ بھی طے ہو گیا تھا کہ پاکستان کے مسلمانوں کو اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگیاں قرآن و سنت کے مطابق ڈھالنے میں مدد دی جائے گی۔ یہ ایک مثبت بات تھی' جس میں "سُنّت" کا لفظ بھی آ گیا۔ یہ ایک درجے میں objective principle بن جاتا ہے' البتہ صراحت کے ساتھ یہ بات مذکور نہیں تھی کہ اس ملک میں کتاب و سنت کے منافی کوئی قانون نہیں بنایا جائے گا۔ چنانچہ قراردادِ مقاصد میں یہ ایک خلا موجود ہے اور اسی لئے میرا موقف یہ ہے کہ اس میں "اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰہ" کے تقاضے کی پورے طور پر تکمیل نہیں ہوئی ہے۔

BPC رپورٹیں اور ان کا حشر

قراردادِ مقاصد کی منظوری کے بعد "بنیادی اصولوں کی کمیٹی" (Basic Principle Committee) کی دو رپورٹیں یکے بعد دیگرے سامنے آئیں' تاکہ ان رپورٹوں اور کمیٹی کے طے کردہ بنیادی اصولوں کی روشنی میں دستور تیار کیا جا سکے۔ پہلی رپورٹ ۲۸ ستمبر ۱۹۵۰ء کو لیاقت علی خان (مرحوم) کے ذریعے سے آئی' لیکن اس میں اسلام کا سرے سے کوئی تذکرہ ہی نہیں تھا۔ گویا اس کی رو سے قراردادِ مقاصد کی حیثیت تو محض تلاوت قرآن کی تھی جس سے کسی محفل کا آغاز کر دیا جائے اور پھر اس محفل میں دین سے مطلقاً کوئی سروکار نہ ہو ---- البتہ دوسری رپورٹ جو ۲۲/ دسمبر ۱۹۵۲ء کو خواجہ ناظم الدین صاحب نے پیش کی' اس میں اسلام کی طرف ایک قدم اٹھایا گیا کہ مرکزی اور صوبائی اسمبلیوں کے ساتھ علماء بورڈز تشکیل دیئے جائیں گے' تاکہ وہاں جو بھی قانون سازی ہو رہی ہو' پہلے ان علماء بورڈز کے ذریعے سے دیکھ لیا جائے کہ اس میں کوئی شے کتاب و سنت کے منافی تو نہیں ہے۔ یہ یقیناً ایک مثبت پیش رفت تھی' لیکن اس رپورٹ پر مشرقی اور مغربی پاکستان کا اتفاق نہ ہو سکا۔ اس لئے کہ اس کے بعض نکات کسی ایک پہلو سے مشرقی پاکستان والوں کے لئے ناقابل قبول تھے اور بعض اعتبارات سے مغربی پاکستان والوں کے لئے۔ پھر اس میں پیش کی گئی علماء بورڈز کی تجویز پر بھی بہت لے دے ہوئی کہ اس کا مطلب تو یہ ہے کہ علماء بورڈز کے پاس اسمبلی سے بالاتر

اختیار ہو گا اور اس طرح ایک مذہبی حکومت (Theocracy) وجود میں آ جائے گی۔ چنانچہ یہ رپورٹ بھی ردی کی ٹوکری کی نذر ہو گئی۔

محمد علی بوگرہ فارمولا

۱۶/اپریل ۵۳ء کو گورنر جنرل غلام محمد صاحب نے خواجہ ناظم الدین صاحب کو برطرف کر کے محمد علی بوگرہ صاحب کو وزیراعظم نامزد کر دیا۔ محمد علی بوگرہ نے اکتوبر ۵۳ء میں ایک نیا فارمولا پیش کیا جو "محمد علی فارمولا" کہلاتا ہے۔ انہوں نے علماء بورڈز کا معاملہ ختم کر کے اس فیصلے کا اختیار کہ دستور میں کوئی شے کتاب و سنت کے مطابق ہے یا نہیں' سپریم کورٹ کے حوالے کر دیا۔ یہ فارمولا کسی حد تک مشرقی اور مغربی پاکستان کے لوگوں کو سیاسی اعتبار سے اور اپنے حقوق کے اعتبار سے قابل قبول لگا۔

پہلے عام انتخابات اور ان کا نتیجہ

اس فارمولا کے تحت آگے بڑھنے کا کوئی مرحلہ ابھی آیا ہی نہیں تھا کہ ۱۹۵۴ء میں پاکستان میں پہلے انتخابات منعقد ہوئے' جن میں مشرقی پاکستان میں سیاسی اعتبار سے مسلم لیگ کا جنازہ نکل گیا اور ۳۱۰ کے ایوان میں مسلم لیگ کے حصے میں صرف ۱۰ سیٹیں آئیں۔ اس مرحلے پر بنگلہ زبان کی بنیاد پر ایک عظیم تحریک اٹھ کھڑی ہوئی اور بنگلہ نیشنلزم اور بنگلہ دیش کے بیج بوئے جانے لگے۔ ادھر ذاتی سطح پر غلام محمد اور محمد علی بوگرہ کے درمیان اختیارات کی جو چپقلش پیدا ہو گئی تھی اس بنا پر بوگرہ صاحب کا بھی بوریا بستر گول ہوا اور ان کا فارمولا بھی ان کے ساتھ گیا' اور ساتھ ہی دستور ساز اسمبلی کو بھی برخاست کر کے اس کی بساط لپیٹ دی گئی --- پارلیمانی نظام میں صدر اور وزیراعظم کے مابین اختیارات کی تقسیم ہمیشہ مابہ النزاع رہی ہے اور اس میں صدر بمقابلہ وزیراعظم کا یہ چکر ہمیشہ چلتا رہتا ہے' الا یہ کہ ان میں سے کوئی ایک ربڑ سٹمپ بن کر رہ جائے۔ یہ درحقیقت وہ ثنویت ہے کہ جو قابل عمل نہیں ہے۔

پاکستان میں ایک عرصے تک دستور کے نہ بن سکنے کا ایک اہم سبب مشرقی اور مغربی پاکستان کے دونوں خطوں کے درمیان بعض اعتبارات سے بڑے تضادات کی موجودگی

تھی۔ مغربی پاکستان کو ہر اعتبار سے اولیت حاصل تھی کہ وہ عالم اسلام کے ساتھ متّصل ہے' اس کا رقبہ زیادہ ہے' ترقی کے امکانات بہت ہیں' جبکہ عددی اعتبارات سے آبادی مشرقی پاکستان کی زیادہ تھی لیکن رقبہ اور ترقی کے امکانات کم تھے۔ اس کے علاوہ وہاں ہندو اقلیت ایک بڑی مؤثر تعداد میں موجود تھی۔ اس بنا پر دونوں خطوں کے درمیان اقتدار اور اختیارات میں توازن کا مسئلہ درپیش تھا' جس کی وجہ سے دونوں BPC رپورٹیں رد ہو گئیں اور دستور سازی نہ ہو سکی۔

۱۹۵۶ء کا دستور

بہرحال اس کے بعد چوہدری محمد علی صاحب بڑی محنت' مشقت' کوشش اور دن رات کی عرق ریزی کے بعد ۱۹۵۶ء کا دستور بنانے میں کامیاب ہوئے۔ اس دستور میں کچھ اسلامی دفعات بھی آئیں۔ اسی وقت اسلامی نظریاتی کونسل (Council of Islamic Idealogy) بھی بنائی گئی' تا کہ اس کونسل میں شیعہ' سنی' بریلوی' دیو بندی' اہلحدیث' غرضیکہ تمام مکاتیب فکر کو نمائندگی دی جاسکے اور یہ لوگ تحقیقات کریں کہ ملکی قوانین میں کیسے ردوبدل کیا جائے اور انہیں کیسے اسلامی قالب میں ڈھالا جائے۔ تو یہ ۵۶ء کا دستور تھا' جسے آج بھی بہت سے لوگ یاد کرتے ہیں کہ اگر اس دستور کے مطابق گاڑی چل رہی ہوتی تو شاید ہمارا معاملہ بہت آسانی کے ساتھ آگے بڑھ رہا ہوتا۔ لیکن ہوا کیا؟

ایوب خان کا دورِ آمریت

۵۶ء کا دستور ۲۳/ مارچ ۵۶ء کو نافذ ہوا۔ اس کے تحت عام انتخابات کا انعقاد ۱۹۵۹ء میں ہونا تھا' لیکن انتخابات کے انعقاد سے پہلے ہی اکتوبر ۵۸ء میں جنرل ایوب خان صاحب اور سکندر مرزا صاحب نے مل کر ساری دستوری بساط پھر لپیٹ دی اور ملک میں مارشل لاء نافذ کر دیا۔ چنانچہ ۵۶ء کا دستور بھی کالعدم قرار پا گیا اور دستور ساز اسمبلی بھی ختم ہوئی۔

صدر ایوب خان نے ۱۷/ فروری ۱۹۶۰ء کو ایک آئین کمیشن مقرر کیا۔ یہ مکمل طور

پر ایک شخصِ واحد کا منتخب کردہ ادارہ تھا اور کسی کی طرف سے اسے کوئی نمائندگی حاصل نہیں تھی۔ یہ کمیشن سپریم کورٹ کے سابق چیف جسٹس شہاب الدین صاحب کی سربراہی میں قائم کیا گیا تھا۔ پھر ۱۹۶۲ء کا صدارتی دستور بنایا گیا جس میں سارے اختیارات بنیادی جمہوریتوں (Basic Democracy) سے ہوتے ہوئے ایک شخص واحد محمد ایوب خان کی ذات میں مرتکز ہو گئے تھے۔ اب اس دستور کے مطابق بھی کچھ عرصہ حکومت چلتی رہی۔ لیکن پھر ۶۸' ۶۹ کا ہنگامی دور آیا' جس میں ایوب خان کے خلاف زبردست تحریک چلی۔ دراصل صدر ایوب خان نے کونسل آف اسلامک آئیڈیالوجی کے ساتھ ساتھ ادارۂ تحقیقات اسلامی کے نام سے ایک اور ادارہ قائم کر دیا تھا۔ ڈاکٹر فضل الرحمٰن صاحب اس کے چیئرمین تھے۔ انہوں نے "Islam" کے نام سے ایک کتاب لکھی' جس میں اسلام سے متعلق خاص طور پر حقیقتِ وحی کے ضمن میں ایسی باتیں موجود تھیں جن کے بارے میں یہاں کے تمام علماء کی یہ رائے قائم ہوئی کہ اس میں کفریہ کلمات موجود ہیں۔ اور یہ چونکہ ایک حکومتی ادارے کی طرف سے شائع ہوئی تھی' لہٰذا حکومت کے خلاف ایک عظیم تحریک شروع ہو گئی۔

یحییٰ خان کا مارشل لاء اور سقوط مشرقی پاکستان

اس تحریک کے نتیجے میں ۶۸ء کے آخر میں صدر ایوب خان صاحب استعفاء دے کر اقتدار کے ایوانوں سے رخصت ہو گئے' لیکن جاتے جاتے اپنے ہی بنائے ہوئے دستور کی خلاف ورزی کرتے ہوئے عنانِ حکومت نیشنل اسمبلی کے سپیکر عبدالجبار خان کے سپرد کرنے کی بجائے جنرل یحییٰ خان کے حوالے کر کے روانہ ہو گئے اور یوں ہمارے ملک پر دوسرا مارشل لاء مسلط ہو گیا۔ اسی اثناء میں ۷۰ء کے الیکشن ہوئے۔ ۵۴ء میں جو الیکشن ہوئے تھے ان کے نتیجے میں مشرقی پاکستان میں بنگلہ بھاشا اور بنگلہ نیشنلزم کی تحریک اٹھی اور اس طرح بنگلہ دیش کی بنیاد پڑی' جبکہ ۷۰ کے الیکشن کے تحت پاکستان دولخت ہو گیا اور بنگلہ دیش معرض وجود میں آگیا اور پاکستان صرف مغربی پاکستان تک محدود ہو کر رہ گیا۔

ذوالفقار علی بھٹو کا دورِ حکومت

۷۰ء کے الیکشن کے نتیجے میں اس "پاکستان" میں ذوالفقار علی بھٹو صاحب کی حکومت قائم ہوئی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ذوالفقار علی بھٹو بہت سے امتیازات سے ایک متنازعہ (controversial) شخصیت تھے۔ خود پاکستان کے دولخت ہونے میں ان کا کیا کردار ہے اس کے بارے میں چاہے ایک سے زائد رائیں ہوں' لیکن عام رائے یہی ہے کہ پاکستان کو توڑنے میں ان کا بھی حصہ ہے اور وہ اس کے مجرم ہیں۔ پھر وہ برسراقتدار بھی آئے تو چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کی حیثیت سے۔ لیکن ان منفی پہلوؤں کے ساتھ ان کا ایک مثبت کردار بھی رہا ہے۔

۱۹۷۳ء کا متفقہ دستور

ذوالفقار علی بھٹو نے ایک بہت بڑا کارنامہ یہ سرانجام دیا کہ انتہائی کوشش' محنت اور لگن سے ۱۹۷۳ء کا دستور متفقہ طور پر منظور کرایا۔ انہوں نے اس وقت قومی اسمبلی کے ۱۲۸ میں سے ۱۲۵ ارکان کے دستخط حاصل کئے۔ ظاہر ہے کہ اس سے بڑا اتفاق رائے (consensus) اور کیا ہو سکتا ہے؟ واقعہ یہ ہے کہ' چاہے اس کا کریڈٹ آپ ذوالفقار علی بھٹو کو نہ دیں بلکہ ان دینی جماعتوں کو دیں جن کا مسلسل مطالبہ تھا کہ یہاں اسلامی دستور بنایا جائے اور یہاں اسلامی نظام قائم کیا جائے' لیکن بالفعل صورت یہ تھی کہ ۷۳ء کے دستور میں بعض ایسی چیزیں شامل ہوئیں جو اسلامی دستور اور نفاذ اسلام کے اعتبار سے بڑی محکم اور مستحکم تھیں۔ مثلاً :

☆ ہر ریاست کا ایک نام ہوتا ہے جس سے یہ ظاہر ہوتا کہ نظریاتی اعتبار سے اس ریاست کی کیا حیثیت ہے۔ ۷۳ء کے دستور میں پاکستان کا نام جمہوریہ اسلامیہ پاکستان (Islamic Republic of Pakistan) رکھا گیا۔ اس سے گویا ریاست کی نوعیت معین کر دی گئی۔

☆ پہلی مرتبہ دستور کی دفعہ ۲' میں ریاست کا سرکاری مذہب اسلام قرار دیا گیا۔

☆ پارلیمانی نظام میں دو ہی حیثیتیں چوٹی کی اہمیت کی حامل ہیں' یعنی صدر اور وزیراعظم۔ آئین کی رو سے ان دونوں کا مسلمان ہونا شرط لازم قرار دیا گیا۔

☆ ریاست پاکستان کے اغراض و مقاصد اور منزل مقصود کے حوالے سے طے کر دیا گیا کہ یہاں تمام قوانین تدریجاً اسلامی رخ پر ڈھالے جائیں گے۔ اس مقصد کے لئے دو ادارے C.I.I یعنی Council of Islamic Idealogy اور "اسلامی تحقیقاتی ادارہ" پہلے سے کام کر رہے تھے۔

جنرل ضیاء الحق کا مارشل لاء

چار سال تک حکومت کرنے کے بعد مارچ ۷۷ء میں بھٹو صاحب نے جو انتخابات کرائے' ان میں بہت بڑے پیمانے پر دھاندلی ہوئی۔ چنانچہ اس کے نتیجے میں فوری طور پر پاکستان قومی اتحاد (PNA) کے جھنڈے تلے ایک زبردست تحریک اٹھ کھڑی ہوئی اور ہر طرف انتشار اور افراتفری کی کیفیت پیدا ہو گئی۔ چنانچہ ۵ جولائی ۱۹۷۷ء کو جنرل ضیاء الحق نے مارشل لاء نافذ کر دیا اور دستور کو معطل کر کے جمہوریت کی بساط پھر لپیٹ دی گئی۔ گویا ہم پھر اسی مقام پر پہنچ گئے جہاں سے سفر کا آغاز کیا تھا۔

ضیاء الحق کے دور میں نفاذِ اسلام کی طرف پیش رفت

۱۹۸۵ء میں شدید دباؤ کے تحت ضیاء الحق صاحب نے جمہوریت کی بحالی کا قدم اٹھایا اور مارشل لاء اٹھا کر ۷۳ء کا دستور دوبارہ نافذ کر دیا۔ البتہ آئین میں بعض ایسی ترامیم کیں' جن کے ذریعے اسلام کی طرف کچھ پیش رفت بھی ہوئی۔ اس کی تفصیل کچھ یوں ہے۔

پہلی پیش رفت یہ ہوئی کہ قرارداد مقاصد جو اب تک دستور میں صرف دیباچے (Preamble) میں تھی' اسے دستور کا جزوِ لاینفک بنا دیا گیا۔ چنانچہ آئین کے آرٹیکل 2 جس کی رو سے پاکستان کا سرکاری مذہب اسلام ہو گا' اس میں آرٹیکل A-2 کا اضافہ کر دیا گیا اور اس طرح اب قرارداد مقاصد کو دستور کے substantive part اور operative clause کی حیثیت حاصل ہو گئی۔

دوسری مثبت پیش رفت یہ کی گئی کہ ابتداءً ضیاء الحق صاحب نے ہائی کورٹ کی سطح پر شریعت بینچ بنائے۔ لیکن جب معلوم ہوا کہ یہ قابل عمل نہیں ہیں' کیونکہ ہو سکتا ہے کہ

ایک ہائی کورٹ میں ایک شریعت بینچ کوئی ایک فیصلہ دے تو دوسرا کوئی اور فیصلہ دے دے' تو پھر کیا بنے گا؟ لہٰذا انہوں نے ایک فیڈرل شریعت کورٹ بنائی۔ اس فیڈرل شریعت کورٹ کو نظری اعتبار سے تو پورا اختیار دیا گیا۔ چنانچہ کوئی قانون خواہ وہ پہلے سے کتاب قانون کا جزو ہو' یا کوئی مسودۂ قانون ابھی اسمبلی کے اندر زیر تجویز ہو' یا ابھی کوئی نیا قانون پاس ہوا ہو' غرض کسی بھی قانون کے بارے میں' خواہ اسے کسی نے عدالت میں چیلنج کیا ہو' یا عدالت از خود اس کا جائزہ لینا چاہے' وفاقی شرعی عدالت کو غور کرنے کا اختیار حاصل ہے۔ اس کے بارے میں مختلف آراء کو سن کر اور فریقین کو مناسب وقت دے کر کہ وہ اپنے دلائل اور اپنی آراء سامنے لا سکیں' عدالت طے کر سکتی ہے کہ آیا یہ قانون کُلی یا جزوی طور پر یا اس کی کوئی شق کتاب و سنت کے منافی ہے یا نہیں۔ اگر وہ یہ طے کر دے کہ کوئی قانون یا اس کی فلاں شق خلاف اسلام اور کتاب و سنت کے منافی ہے تو عدالت اس کے لئے ایک مدت متعین کر دے گی اور اگر وہ صوبائی معاملہ ہوا تو گورنر اور صوبائی اسمبلی کو' اور اگر وفاقی ہوا تو وزیر اعظم اور صدر مملکت کو مطلع کر دے گی کہ اتنی مدت کے اندر اندر اس کے متبادل قانون سازی کی جائے۔ یعنی قانون سازی عدالت نہیں کرے گی بلکہ قانون سازی تو قانون ساز ادارہ یعنی اسمبلی ہی کرے گی۔ لیکن ماہرانہ مشورہ (expert opinion) کہ آیا کوئی قانون کتاب و سنت کی حدود کے اندر ہے یا نہیں' عدالت دے گی۔

اس ماہرانہ مشورہ کی حیثیت محض "سفارش" کی نہیں ہوگی کہ وہ اسلامی نظریاتی کونسل کی کسی رپورٹ کی طرح وزارتِ مالیات یا وزارتِ قانون کی الماریوں میں دفن ہو جائے' بلکہ اس کے پاس ایک operative authority ہوگی۔ لہٰذا عدالت کی طے کردہ مدت کے اندر اندر متبادل قانون سازی کرنا مقننہ کی ذمہ داری ہوگی۔ ورنہ خلا پیدا ہو جائے گا۔ کیونکہ اس مدت کے اختتام پر وہ قانون کلی یا جزوی طور پر کالعدم ہو جائے گا۔

وفاقی شرعی عدالت کا قیام واقعتاً اسلامائزیشن کی جانب ایک مثبت قدم تھا۔ لیکن ضیاء الحق صاحب نے اس ساری مثبت پیش رفت کو اس طرح منفی بنا لیا کہ انہوں نے اس

عدالت کو دو ہتھکڑیاں پہنا کر اور دو بیڑیاں ڈال کر پوری طرح پابندِ سلاسل کر دیا۔ یعنی بعض امور کو عدالت کے دائرۂ اختیار سے بالاتر قرار دیا۔ یہ چار امور درج ذیل ہیں :

☆ وفاقی شرعی عدالت دستورِ پاکستان کے بارے میں کوئی بات نہیں کر سکتی۔

☆ جوڈیشل لاز یا عدالتی ٹربیونلز کے قواعد و ضوابط کو بھی اس عدالت میں چیلنج نہیں کیا جا سکتا۔

☆ عائلی قوانین کے بارے میں بھی یہ عدالت کچھ نہیں کہہ سکتی۔

☆ اور مالیاتی قوانین بھی اس عدالت کے دائرہ اختیار سے باہر ہوں گے۔

البتہ مؤخر الذکر ہتھکڑی یعنی مالیاتی معاملات کے بارے میں رائے نہ دینے یا فیصلہ نہ کرنے کی پابندی پہلے پانچ سال کے لئے تھی' جسے بعد میں پانچ سال مزید بڑھا کر دس سال کر دیا گیا۔ لیکن چونکہ یہ پابندی محدود وقت کے لئے تھی' لہٰذا ۱۹۹۰ء میں یہ ہتھکڑی خود بخود کھل گئی اور فیڈرل شریعت کورٹ کو مالیاتی معاملات میں فیصلہ دینے کا اختیار حاصل ہو گیا۔ چنانچہ جب اس کے سامنے بنک انٹرسٹ کا معاملہ آیا تو اس نے اس کی سماعت کی اور آخر کار بنک انٹرسٹ کو ربا قرار دیا' جو اسلام میں حرامِ مطلق ہے۔ یہ ہے وہ پوزیشن جہاں آج ہم کھڑے ہیں۔ گزشتہ پچاس برس میں نفاذ اسلام کی جانب جو دستوری پیش رفت ہوئی ہے میں نے اس کا مثبت پہلو بھی آپ کے سامنے رکھ دیا ہے اور منفی پہلو بھی!

مثبت پیش رفت کے مواقع اور بارہ کا عدد

اس مثبت دستوری پیش رفت میں ایک بات بڑی عجیب ہے جس پر میں نے آج ہی غور کیا ہے کہ پہلی مثبت اور محکم پیش رفت تو قراردادِ مقاصد تھی' لیکن اس کی حیثیت بنیاد کی تھی۔ تعمیر کے ضمن میں پہلی مثبت پیش رفت ۷۳ء کے دستور میں ہوئی۔ اور دوسری اس وقت جب ٹھیک بارہ سال بعد ضیاء الحق صاحب نے ۸۵ء میں ۷۳ء کے دستور میں بعض ترامیم شامل کیں۔ اور اس کے بعد اب پھر پورے بارہ سال ہو چکے ہیں۔ اب پھر ہمیں ایک موقع ملا ہے کہ ہم اس جانب مزید مثبت پیش رفت کر سکیں۔

"اِثنا عَشَر" یعنی بارہ کے عدد کی دین میں ایک عجیب حیثیت نظر آتی ہے۔ چنانچہ

حضرت یعقوبؑ کے بارہ بیٹے تھے' جن سے بنی اسرائیل کے بارہ قبیلے وجود میں آئے۔ حضرت موسیٰؑ نے ان کے لئے بارہ ہی نقیب مقرر کئے تھے۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے بھی بیعت عقبہ ثانیہ کے موقع پر بارہ نقیب ہی مقرر فرمائے' حالانکہ اوس اور خزرج دو ہی قبیلے تھے' ایک میں سے ۹ اور دوسرے میں ۳ نقیب بنائے گئے۔ بہرحال اب پھر وہ مرحلہ ہے کہ بارہ برس کے بعد ہماری اسمبلی پھر اس پوزیشن میں آگئی ہے کہ اولاً پاکستان مسلم لیگ کا احیاء ہو چکا ہے اور اسے ایوان زیریں اور ایوان بالا دونوں میں دو تہائی اکثریت حاصل ہو چکی ہے۔ اس مکمل اکثریت (Absolute Majority) کے ہوتے ہوئے بھی مسلم لیگ نفاذ اسلام کے لئے کوئی قدم نہیں اٹھاتی تو اس کے پاس اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کرنے کے لئے کوئی عذر موجود نہیں ہے۔ اتنی بڑی اکثریت دراصل اللہ تعالیٰ کی جانب سے مسلم لیگ پر اتمامِ حجت ہے۔ اور میرے نزدیک یہ غالباً اللہ کی طرف سے اتمامِ حجت کا آخری موقع ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ہم پر پہلی اتمامِ حجت ۱۹۴۷ء میں کی تھی کہ جب دنیا کی سب سے بڑی مسلمان ریاست عطا کی تھی۔ حالانکہ ۱۹۴۶ء میں پاکستان کا مطالبہ کرنے والی جماعت مسلم لیگ اور اس کے قائد' قائداعظم محمد علی جناح فوری طور پر ایک آزاد اور خودمختار پاکستان کے مطالبے سے دستبردار ہو گئے تھے جب انہوں نے کیبنٹ مشن پلان کو منظور کر لیا تھا۔ لیکن اللہ کی رحمت نے یہ گوارا نہ کیا' بلکہ اس کی طرف سے یہ کہا گیا کہ تم نے تو "پاکستان کا مطلب کیا؟ لا الٰہ الا اللہ" کے نعرے لگائے ہیں۔ لہٰذا میں تمہیں ایک آزاد اور کلیتاً خود مختار پاکستان دیتا ہوں اور پھر ﴿فَنَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ﴾ "ہم دیکھیں گے تم کرتے کیا ہو"۔ آیا تم اپنے وعدے کو پورا کرتے ہو یا نہیں' اور جس نظریہ کے لئے علیحدہ ریاست چاہتے ہو اس نظریہ کا وطن میں بول بالا کرتے ہو یا نہیں!

قیام پاکستان کے بعد جو کچھ ہوا وہ آپ جانتے ہیں۔ میں نے دسمبر ۹۴ء میں یوم سقوط ڈھاکہ کے موقع پر اپنے خطاب میں وضاحت کی تھی کہ اس ضمن میں کن لوگوں سے کیا غلطیاں ہوئی ہیں؟ اس معاملے میں یقیناً ہمارے اسلاف اور بزرگوں سے بھی غلطیاں ہوئی ہیں اور ہمارے بعض دینی رہنماؤں سے بھی کوتاہیاں ہوئی ہیں۔ ہم نے بھی اپنے شب و

روز کے انداز، اپنے رہن سہن، اپنے معاش اور اپنی معاشرت میں کوئی تبدیلی نہیں کی، بلکہ آج مادیت، دولت پرستی، نفس پرستی اور شہوت پرستی کا جو سیلاب بہہ رہا ہے اس میں ہم بھی بہے جا رہے ہیں۔ غرض غلطیوں سے بچا ہوا کوئی نہیں، بلکہ اس میں ہر ایک شخص کا حصہ ہے اور پوری قوم نے اللہ تعالیٰ سے کئے جانے والے عہد سے بے وفائی کی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے قیام پاکستان کے چوبیس برس بعد اپنے عذاب کا کوڑا ہم پر دے مارا اور ۱۹۷۱ء میں ملک دولخت ہو گیا۔ اس کے بعد سے اب تک ہمارے ہاں جو افراتفری رہی ہے وہ محتاج بیان نہیں ہے۔

☆ ☆ ☆

مسلم لیگ کی موجودہ کامیابی اور اس کی ذمہ داری

اب اللہ تعالیٰ نے پاکستان مسلم لیگ کو دو تہائی کی اکثریت سے ایسی حکومت عطا کر دی ہے جس کے بارے میں سب کہتے ہیں کہ یہ جمہوری حکومت ہے۔ چنانچہ رابن رافیل نے بھی کہا ہے کہ پاکستان میں جمہوریت مستحکم ہوئی ہے۔ پھر یہ بھی مانا گیا ہے کہ ان انتخابات کے اندر کوئی دھاندلی (rigging) نہیں ہوئی ہے، اگرچہ pre polling engineering کے امکان کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ پھر یہ بھی سب جانتے ہیں کہ مسلم لیگ کی یہ مضبوط قیادت یہیں سے ابھری ہے۔ یہ یکدم کہیں کسی "آسمان" سے نہیں ٹپک پڑی ہے، یعنی محمد علی بوگرہ صاحب کی طرح امریکہ سے درآمد شدہ نہیں ہے۔ میاں نواز شریف صاحب میدان میں آئے تو انہوں نے بڑی محنت اور مشقت کر کے مسلم لیگ کو ایک زندہ، فعال اور مضبوط جماعت بنایا ہے۔ اور اس جماعت کو مسلمانان پاکستان نے توقعات سے بڑھ کر بھاری مینڈیٹ دے دیا ہے۔ پھر یہ بھی حقیقت ہے کہ مسلم لیگ کے سابقہ دور حکومت میں قیادت اور اکثریت کسی ایک جماعت یا فرد واحد کو حاصل نہیں تھی بلکہ وہ مجموعی طور پر "اسلامی جمہوری اتحاد" کے پاس تھی۔ لیکن اب تو ایک جماعت اور ایک قیادت کو مطلوبہ اکثریت حاصل ہوئی ہے، لہٰذا اب کوئی عذر باقی نہیں رہا۔ اور مسلم لیگ کی کامیابی پر سورۃ انبیاء کی آخری آیت صدفی صد منطبق

ہو رہی ہے کہ ﴿وَاِنْ اَدْرِیْ لَعَلَّهٗ فِتْنَةٌ لَّكُمْ وَمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ﴾ "اور میں یہ نہیں کہہ سکتا' ہو سکتا کہ یہ تمہارے لئے ایک نئی آزمائش ہو' اور ایک وقت معین کے لئے ایک مہلت (اللہ نے تمہیں دے دی) ہو"۔ بہرحال اللہ تعالیٰ کی جانب سے اتمام حجت کا یہ دوسرا موقع ہے۔ اگر اس واضح کامیابی اور اکثریت اور اللہ کے اس کامل اتمام حجت کا پاس نہ کرتے ہوئے ہم نے اسلام کے نظام عدل کے لئے کچھ نہ کیا تو پھر ؎

نہ سمجھو گے تو مٹ جاؤ گے اے "پاکستاں" والو
تمہاری داستاں تک بھی نہ ہوگی داستانوں میں

نظامِ خلافت کے کم از کم دستوری تقاضے

اس وقت ہم تکمیل دستور اسلامی کا جو مطالبہ لے کر اٹھ رہے ہیں' اس کے ضمن میں یہ وضاحت بھی کر دی جائے کہ حکومت سے ہمارا مطالبہ فوری انقلاب کا نہیں ہے' کیونکہ ایک دم انقلاب تو کسی انقلابی جدوجہد کے بعد آیا کرتا ہے جس سے نظام فوری طور پر تبدیل ہوتا ہے اور بالکل ایک نئی طرز پر تعمیر کا آغاز ہوتا ہے۔ ہم تو یہ کہہ رہے ہیں کہ آپ پہلا قدم اٹھائیے۔ یعنی دستور میں اسلامی ریاست کے کم از کم تقاضے پورے کر لیجئے۔

اس ضمن میں صرف چار اقدامات کی ضرورت ہے اور واقعہ یہ ہے کہ ان میں سے صرف دو اقدامات بنیادی ہیں اور دو ذیلی اقدامات ہیں۔ موجودہ دستور کے اندر چار جگہ تھوڑی سی لفظی ترمیم کر دی جائے تو نظام خلافت اور اسلامی ریاست کے دستوری تقاضے پورے ہو جاتے ہیں اور اس کے بعد دستور کے تحت گاڑی خود بخود چلے گی اور رفتہ رفتہ مختلف معاملات کی اصلاح ہوتی جائے گی' کیونکہ جب یہ طے ہو جائے کہ یہاں کتاب و سنت کے منافی کوئی قانون سازی نہیں ہو سکتی تو ہر شخص کو یہ حق حاصل ہو گا کہ اگر وہ کسی چیز کو خلاف اسلام سمجھتا ہے تو اس کے خلاف عدالت میں جائے۔ مثلاً میں کہتا ہوں کہ جاگیرداری خلاف اسلام ہے اور پاکستان کی زمینیں خراجی (ریاستی ملکیت) ہیں' عُشری (یعنی کسی کی ذاتی ملکیت) نہیں ہیں' لہٰذا نیا بندوبست اراضی کیا جائے۔ اسی طرح کوئی

سمجھتا ہے کہ غیر حاضری زمینداری اسلام میں جائز نہیں ہے کیونکہ امام ابو حنیفہؒ اور امام مالکؒ نے اس کے عدم جواز کا فتویٰ دیا ہے' تو اب عدالت معاملہ کی سماعت کرکے یا تو اسے خلاف اسلام قرار دے دے گی یا اگر (صاحبین کے فتویٰ کے مطابق) اس کے جواز کا فیصلہ کرے گی تو وہ شرائط بھی عائد کردے گی جو مزارعت کے لئے قاضی ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ نے عائد کی تھیں۔ لیکن یہ سارا کام اسی وقت ہو سکے گا جب اس کے لئے بنیادی دستوری مشینری وجود میں آجائے۔ اگر وہ نہیں ہے تو اس جانب کوئی قدم اٹھ ہی نہیں سکتا۔ چنانچہ آج کوئی ہمارے عائلی قوانین کے خلاف اپیل دائر کرے تو سپریم کورٹ بھی کہہ دے گی کہ ہمارے تو ہاتھ بندھے ہوئے ہیں' یہ تو شریعت کورٹ کے دائرے سے بھی باہر ہے۔ غرض نظام کی پورے طور سے اصلاح درحقیقت ایک دم سے نہیں ہو جائے گی بلکہ تدریجاً ہو گی۔

اسلام میں قانون سازی کی وسعت

اس کے ساتھ یہ وضاحت بھی ضروری ہے کہ بعض لوگوں کو یہ مغالطہ لاحق ہو گیا ہے کہ شاید پورا اسلامی قانون بنا بنایا رکھا ہوا ہے اور ایک ہی دن میں لاکر نافذ کر دیا جائے گا' لہٰذا اب نئی قانون سازی کی تو گنجائش ہی نہیں ہو گی۔ حالانکہ یہ غلط فہمی ہے' ایسا ہرگز نہیں ہے۔ غیر اسلامی قوانین کو مرحلہ وار کالعدم قرار دیا جاتا رہے گا اور جو قانون بھی کالعدم کیا جائے گا' عدلیہ کہے گی کہ دستور کے تحت اس کی متبادل قانون سازی کی جائے اور مقننہ نیا قانون بنائے گی۔ اسلام میں قانون سازی کا بہت وسیع دائرہ موجود ہے۔ اس لئے کہ اسلام کا اصول یہ ہے کہ ہر شے جائز ہے سوائے اس کے جس کے بارے میں ثابت ہو جائے کہ وہ ناجائز اور حرام ہے۔ اگر اصول یہ ہوتا کہ ہر شے حرام ہے اِلّا یہ کہ ثابت کر دیا جائے کہ وہ جائز ہے تو قانون سازی کا دائرہ بہت محدود ہو جاتا' کیونکہ جب تک ہمارے پاس کسی شے کی حلت و اباحت کے لئے کتاب و سنت سے مثبت دلائل نہ ہوتے' ہم اسے اختیار نہیں کر سکتے تھے۔ لیکن اس اصول سے کہ ہر شے مباح ہے اِلّا یہ کہ ثابت ہو جائے کہ یہ حرام ہے' قانون سازی کا دائرہ بہت وسیع ہو گیا ہے۔ مثلاً آج کل جو بھی بجٹ سازی ہوتی ہے' اس کے متعلق سارے کے سارے معاملات مباح کے درجے میں

ہیں۔ چنانچہ سود اور جاگیرداری وغیرہ کو نکال دیا جائے تو باقی معاملات میں آپ آزاد ہیں کہ مختلف شعبوں کے لئے کتنی رقوم مختص کرنی ہیں' تعلیم کو کتنا دینا ہے' ڈیفنس کو کتنا دینا ہے' صحت کے لئے بجٹ کا کتنا حصہ رکھنا ہے' وغیرہ۔ اسی طرح دستور سازی میں یہ طے کرنا کہ مرکز اور صوبوں کے مابین اختیارات کا تناسب کیا ہو' ریاست کی نوعیت وفاقی (Federal) ہو' وحدانی (Unitary) ہو یا نیم وفاقی (Confederal)' پھر یہ کہ طرز حکومت پارلیمانی ہونا چاہئے یا صدارتی! اس طرح کے سارے معاملات میں قرآن و سنت کی رو سے ہم پر کوئی پابندی عائد نہیں ہوتی' بلکہ انہیں ہم اپنی مرضی سے اپنے حالات کے مطابق طے کرسکتے ہیں۔

اس کو ایک مثال سے بھی سمجھا جاسکتا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ مومن کی مثال اس گھوڑے کی سی ہے جو ایک کھونٹے سے بندھا ہوا ہے۔ اس حدیث کو سامنے رکھتے ہوئے فرض کریں ہمارے پاس ایک وسیع میدان ہے جس میں ہم ایک کھونٹے سے ۱۰۰ گز لمبی رسی کے ساتھ کسی گھوڑے کو باندھ دیتے ہیں۔ اب دو سو گز قطر کا ایک دائرہ وجود میں آجائے گا' جس میں گھوڑا آزاد ہے' چاہے وہ شمال میں جائے یا جنوب میں' مشرق میں جائے یا مغرب میں۔ وہ چاہے تو پچاس' ساٹھ یا ستر گز تک جائے یا سو گز تک چلا جائے' وہ آزاد ہے' لیکن مشرق' مغرب' شمال یا جنوب کسی سمت میں بھی اسے ۱۰۱واں گز نہیں آئے گا۔ اسی طرح مسلمان بھی قرآن و سنت کے دائرے کے اندر آزاد ہیں۔ اس دائرے میں وہ "اَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ" کی قرآنی تعلیم کے مطابق اپنے سارے معاملات باہمی مشورے سے طے کرسکتے ہیں جو کہ جمہوریت کا اصل الاصول ہے۔ گویا اس دائرے کے اندر رہ کر ہم وہ تمام جمہوری اصول جو دنیا نے بنائے ہیں' اختیار کرسکتے ہیں۔ لیکن اس دائرے سے باہر نہیں جاسکتے' یہاں تک کہ اگر دستور میں قرآن و سنت کی بالادستی کا اصول طے کردیا جائے تو سو فی صد ارکان اسمبلی بھی اس دائرے کی حدود پھلانگ نہیں سکتے۔ اگر وہ اس حدود سے باہر نکلیں گے' اور کوئی غیر اسلامی قانون وضع کریں گے تو عدلیہ اسے کالعدم قرار دے دے گی' کیونکہ موجودہ دور میں عدلیہ دستور کی محافظ (Custodian) ہوتی ہے۔

قانون سازی کا بنیادی اصول اور عملی تنفیذ کا طریق کار

اسلام میں قانون کا بنیادی اصول اور اس کی عملی تنفیذ کا طریقہ کار کیا ہے؟ اس کو سورۂ نساء کی آیت ۵۹ کے حوالے سے بخوبی سمجھا جا سکتا ہے۔ فرمایا :

﴿ یٰۤاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ... ﴾

"اے اہل ایمان' اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسولؐ کی اور اپنے میں سے اولی الامر کی۔"

نوٹ کیجئے کہ یہاں اللہ اور رسول دونوں کے ساتھ "اطاعت" کا لفظ آیا ہے لیکن "اولوا الامر" کے ساتھ لفظ "اطاعت" نہیں آیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ پہلی دو اطاعتیں مستقل بالذّات اور مطلق (absolute) ہیں جبکہ اولوا الامر کی اطاعت اللہ اور رسولؐ کی اطاعت کے تابع ہے۔ پھر ان کے ضمن میں یہ شرط بھی عائد کر دی گئی کہ اولوا الامر "تم میں سے ہوں" یعنی مسلمان ہوں۔ آج دیکھا جائے تو ملکی سطح پر ہمارے اولوا الامر کی حیثیت اسمبلی کے نمائندوں اور ان کے منتخب کردہ وزیر اعظم کو حاصل ہے۔ لہٰذا ہم یقیناً ان لوگوں کی اطاعت کریں گے لیکن یہ اطاعت "معروف" کے دائرے میں ہو گی' مطلق نہیں ہو گی۔ مطلق' مستقل بالذّات اور غیر مشروط اطاعت صرف اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی ہے۔ چنانچہ فرض کیجئے کہ اسمبلی ایک قانون بناتی ہے اور اس کی اکثریت کا خیال ہے کہ یہ قانون قرآن و سنت کے ساتھ متصادم نہیں ہے' لیکن کوئی شہری کہتا ہے کہ یہ قرآن و سنت کے منافی ہے' تو گویا اب اختلاف پیدا ہو گیا۔ اب کیا کیا جائے؟ اس کا جواب اسی آیت کے اگلے حصے میں یوں دیا گیا کہ :

﴿ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْہُ اِلَی اللّٰہِ وَالرَّسُوْلِ ﴾

"اور اگر تم کسی معاملے میں آپس میں جھگڑ پڑو تو اسے اللہ اور اس کے رسول کی طرف پھیر دو۔"

اللہ اور اس کے رسول کی طرف پھیر دینے سے مراد کتاب اللہ اور سنّتِ رسول ﷺ کی طرف رجوع کرنا ہے۔ لیکن یہ کون طے کرے گا کہ یہ معاملہ قرآن و سنت سے متجاوز

ہوا ہے یا نہیں؟ یہ بات عدلیہ طے کرے گی۔ جب دستور میں طے ہو گا کہ کتاب و سنت کے خلاف کوئی قانون سازی نہیں کی جا سکتی' تو اب ہر شخص کو یہ حق حاصل ہو گا کہ وہ کسی خلافِ اسلام معاملہ کے خلاف عدالت میں اپیل دائر کرے۔ اب عدالت اس کی سماعت کرے گی۔ علماء' ماہرین اور مختلف نظریات کے لوگ عدالت میں آئیں گے اور اپنے اپنے موقف کے حق میں دلائل پیش کریں گے اور آخر کار عدالت فیصلہ کرے گی۔ چنانچہ چند سال قبل وفاقی شرعی عدالت میں جب یہ معاملہ زیر سماعت تھا کہ آیا بینک انٹرسٹ اور تجارتی سود رِبا ہے یا نہیں' تو ایس ایم ظفر صاحب اور خالد اسحٰق صاحب نے آکر اپنے دلائل پیش کئے تھے کہ یہ ربا نہیں ہے۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ ان کے پاس کوئی دلائل تھے ہی نہیں۔ اب اگر عدالت زیر سماعت قانون یا اس کی کسی شق کو قرآن و سنت کے منافی قرار دے دے تو عدالت کا فیصلہ واجب العمل (binding) ہو گا۔ چنانچہ اب عدالت مدت معین کرے گی کہ اتنے عرصے میں متبادل قانون بنایا جائے' ورنہ اس عرصہ کے بعد وہ قانون کالعدم ہو جائے گا اور خلا کی ذمہ دار حکومت ہو گی۔ البتہ کسی مجبوری کے باعث حکومت نیا قانون وضع کرنے کے لئے کچھ وقت کی مہلت مانگ سکتی ہے۔ گویا قانون سازی تو مقننہ ہی کرے گی البتہ ماہرانہ رائے (expert opinion) کا اختیار عدلیہ کو حاصل ہو گا۔ میرے نزدیک یہی بہترین طریقہ ہے۔ ضیاء الحق صاحب نے اسی طریقہ کو اختیار کیا تھا۔ اس مقصد کے لئے انہوں نے وفاقی شرعی عدالت قائم کی تھی۔ البتہ ان کا یہ اقدام ہرگز درست نہیں تھا کہ انہوں نے بعض امور کو شرعی عدالت کے دائرہ اختیار سے باہر رکھا۔

مقننہ اور عدلیہ کے دائرہ کار کی وضاحت اس لئے بھی ضروری ہے کہ ہمارے ہاں بعض لوگوں کا خیال ہے کہ آخری فیصلہ کا حق پارلیمنٹ کو حاصل ہو گا اور وہ اکثریت سے طے کر دے گی کہ آیا کوئی قانون کتاب و سنت کے منافی ہے یا نہیں۔ اس سلسلہ میں یہ لوگ اقبال کا بھی غلط طور سے حوالہ دیتے ہیں' حالانکہ اگر ان لوگوں کے موقف کو درست تسلیم کر لیا جائے تو اس کا منطقی تقاضا تو یہ ہے کہ صرف علماء ہی انتخاب لڑیں اور وہی اسمبلی میں جائیں' کیونکہ جس طرح کسی طبی معاملے میں صحیح فیصلہ ڈاکٹر ہی کر سکتے ہیں

اسی طرح یہ بات علماء ہی طے کر سکتے ہیں کہ کوئی معاملہ اسلام کے مطابق ہے یا نہیں۔ لیکن چونکہ یہ چیز روحِ عصر اور مروّجہ جمہوری اصولوں کے منافی ہے' لہٰذا بہترین راہ یہی ہے کہ ماہرانہ رائے دینے کا اختیار عدلیہ کو دیا جائے۔

وزیر اعظم کی توجہ کے لئے چند آیاتِ مبارکہ

اس کے بعد اب ہم وزیر اعظم پاکستان میاں محمد نواز شریف صاحب کی خدمت میں دستور میں اصلاحات کے لئے چند مطالبات کرتے ہیں۔ لیکن اس سے پہلے ان کی خدمت میں اس آیت کریمہ کا ہدیہ پیش کرتے ہیں کہ :

﴿ لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ إِنَّ عَذَابِي لَشَدِيدٌ ۝ ﴾ (ابراہیم : ۷)

یعنی "(اے لوگو) اگر تم شکر کرو گے تو میں تمہیں مزید نوازوں گا۔ (یہ "نوازوں" کا لفظ میں نواز شریف صاحب کے حوالے سے استعمال کر رہا ہوں' جیسے کہ لوگ کہتے ہیں کہ "خدا نواز رہا ہے تمہیں نواز شریف") اور اگر تم کفر کرو گے تو میرا عذاب بھی بہت سخت ہے"۔

اس آیت میں "کفر" کے معنی اگرچہ "کفرانِ نعمت" بھی لئے جا سکتے ہیں لیکن کفر اپنے اصطلاحی معنوں میں بھی مراد لیا جا سکتا ہے۔ جیسا کہ سورۃ المائدہ کی آیت ۴۴ کا اختتام ان الفاظ پر ہوتا ہے کہ :

﴿ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ فَأُولٰئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ ﴾

"جو اللہ کے اتارے ہوئے (قانون' ہدایت یا ضابطے) کے مطابق فیصلے نہیں کرتے وہی تو کافر ہیں۔"

اس آیت کی رو سے ہم اس وقت اجتماعی یعنی ریاستی اور دستوری سطح پر کافر ہیں۔ اس لئے کہ ہم قرآن و سنت کے مطابق فیصلے نہیں کر رہے ہیں۔ اگلی آیت کا اختتام ان الفاظ پر ہوتا ہے :

﴿ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ فَأُولٰئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴾

"اور جو اللہ کے اتارے ہوئے (قواعد و ضوابط اور قانون) کے مطابق فیصلے نہیں

کرتے وہی تو ظالم ہیں۔"

اور "ظالم" کا لفظ قرآن مجید کی اصطلاح میں جہاں "حق تلفی کرنا" کے معنی میں آتا ہے وہیں یہ لفظ شرک کے لئے بھی آتا ہے۔ جیسے فرمایا گیا :

﴿اِنَّ الشِّرۡکَ لَظُلۡمٌ عَظِیۡمٌ۝﴾ (لقمان : ۱۳)

"بیشک شرک بہت بڑا ظلم ہے۔"

سورۃ المائدہ کی آیات ۴۴ اور ۴۵ میں "حکم بما انزل اللّٰہ" کو تسلیم نہ کرنے والوں کو "کافر" اور "ظالم" قرار دینے کے بعد آیت ۴۷ میں فرمایا گیا :

﴿ وَمَنۡ لَّمۡ یَحۡکُمۡ بِمَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰہُ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الۡفٰسِقُوۡنَ۝ ﴾

"اور جو لوگ اللہ کے اتارے ہوئے (قواعد و ضوابط اور شریعت) کے مطابق فیصلے نہیں کرتے وہی تو باغی ہیں۔"

یہاں "فسق" کا لفظ "بغاوت" کے معنی میں آیا ہے۔ جسے سورۂ کہف میں ابلیس کے بارے میں کہا گیا :

﴿کَانَ مِنَ الۡجِنِّ فَفَسَقَ عَنۡ اَمۡرِ رَبِّہٖ﴾

"وہ (ابلیس) جنات میں سے تھا' پس اس نے بغاوت کی اپنے رب کے حکم سے۔"

تو اگر ہم اپنے اوپر ہونے والے اللہ تعالیٰ کے احسان کا ادراک کر کے اس کے شکر گزار بندے نہیں بنتے بلکہ اس کے برعکس کفر کی روش اختیار کرتے ہیں تو ہم اجتماعی طور پر کافر قرار پاتے ہیں۔ اگرچہ انفرادی سطح پر ہم مسلمان ہیں' چاہے باعمل ہیں یا بے عمل' لیکن اجتماعی سطح پر جب تک دستور میں یہ معاملات' جن کا ہم مطالبہ لے کر اٹھ رہے ہیں' طے نہیں پاتے تو آیاتِ قرآنی کی رو سے ہم کافر' مشرک اور فاسق ہیں۔

پھر اگلی آیت میں فرمایا :

﴿ وَاَنۡزَلۡنَاۤ اِلَیۡکَ الۡکِتٰبَ بِالۡحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیۡنَ یَدَیۡہِ مِنَ الۡکِتٰبِ وَمُھَیۡمِنًا عَلَیۡہِ ﴾

اس سے پہلی آیات میں تورات اور انجیل کا ذکر تھا۔ اب محمدؐ رسول اللہ ﷺ سے فرمایا

جارہا ہے کہ "(اے نبیؐ) ہم نے آپ کی جانب حق کے ساتھ "الکتاب" اتار دی ہے' جو تصدیق کرتے ہوئے آئی ہے ان کتابوں کی جو اس کے سامنے موجود ہیں (یعنی تورات' انجیل' زبور) اور یہ ان کی محافظ و نگہبان (Custodian) ہے"۔ یعنی اب اس کتاب کے حوالے سے طے کیا جائے گا کہ تورات اور انجیل میں کیا بات ٹھیک ہے اور کیا غلط اور تحریف شدہ ہے۔ ﴿فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ﴾ "تو اب آپ فیصلہ کیجئے ان کے مابین اسی کے مطابق جو اللہ نے نازل کیا ہے۔" ﴿وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَهُمْ عَمَّا جَاءَكَ مِنَ الْحَقِّ﴾ "اور جو حق و سچائی آپ کے پاس آچکی ہے اسے چھوڑ کر ان کی خواہشات کی پیروی مت کیجئے"۔ ہمارے ہاں بھی سیکولر ذہن کے' مغرب پرست لوگ موجود ہیں۔ ذہنی سطح پر ارتداد بھی ہے اور عملی طور پر فسق و فجور اور اباحیت پسندی بھی موجود ہے۔ چنانچہ یہ لوگ تو چاہیں گے کہ یہاں اسلام کی طرف کوئی پیش رفت نہ ہو۔ لیکن ہمیں اس حکم قرآنی کو پیش نظر رکھنا ہو گا اور ان کی خواہشات کی قطعاً پروا نہیں کرنی ہو گی۔ یہی حکم اگلی آیت (نمبر ۴۹) میں پھر دہرایا گیا: ﴿وَأَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَهُمْ﴾ "اور جو اللہ نے اتارا ہے اس کے مطابق فیصلہ کیجئے اور ان کی خواہشات کی پیروی نہ کیجئے"۔ ﴿وَاحْذَرْهُمْ أَنْ يَفْتِنُوكَ عَنْ بَعْضِ مَا أَنْزَلَ اللّٰهُ إِلَيْكَ﴾ "اور ان سے خبردار رہئے کہ کہیں یہ لوگ آپ کو کسی ایسے حکم سے ڈگمگا نہ دیں جو اللہ نے آپ کی طرف اتارا ہے"۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ اپنی مروّت و شرافت کے باعث اور آپ کی طبیعت میں جو نرم مزاجی ہے اس کی بدولت ان کی کوئی بات مان لیں اور اللہ کے نازل کردہ احکام کی تنفیذ میں کسی نرمی کا مظاہرہ کریں۔ نفاذِ شریعت کا یہ حکم اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو دیا' اور آپؐ کی وساطت سے یہ حکم ہر دَور کے مسلمان حکمرانوں کے لئے بھی ہے۔ چنانچہ نواز شریف صاحب کو سمجھنا چاہئے کہ آج اللہ تعالیٰ کا یہ خطاب گویا انہی کے لئے ہے کہ ان مادہ پرستوں' اباحیت پسندوں اور مغرب کے پرستاروں سے ہوشیار رہیں اور نفاذِ شریعت کی طرف پیش قدمی میں ان کے خیالات اور خواہشات کو سدِ راہ نہ بننے دیں۔

سورۃ المائدہ کی آیت ۵۰ میں انتہائی جامع بات گویا حرفِ آخر کے انداز میں

فرمائی گئی :

﴿ اَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُوْنَ ۚ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ۝ ﴾

"تو کیا یہ لوگ جاہلیت کے احکام (قوانین اور شریعت) چاہتے ہیں؟ حالانکہ جو لوگ (اللہ پر' آخرت پر اور رسالت پر) یقین رکھنے والے ہیں ان کے لئے اللہ سے بہتر فیصلہ کرنے والا (اور) کون ہو سکتا ہے"۔

چنانچہ اگر ہم یہ کام نہیں کرتے تو ہمارا یہ مقام (status) بنتا ہے اور کتنے افسوس کی بات ہے کہ پاکستان کے قیام کے بعد سے ہنوز اسی حالت (حکم الجاھلیۃ) پر ہم چلے آ رہے ہیں۔

ہمارا مطالبہ' ہماری اپیل

اس اعتبار سے تمام مذہبی جماعتوں سے بھی ہماری گزارش ہے کہ وہ اپنی توجہات اس مسئلے پر مرتکز کریں' اپنی قوت و طاقت یہاں لگائیں' اس جگہ کھپائیں' اس کے بعد باقی ساری چیزیں اس کے تحت خود بخود منواتے چلے جائیے۔ ہاتھی کے پاؤں میں سب کا پاؤں! یہ ایک بات منوا لیجئے جو دستور میں ثبت ہو جائے' پھر دروازے کھلتے چلے جائیں گے۔ پھر جو شے بھی خلاف اسلام ہے اس کے خلاف جا کر عدالت کے دروازے پر دستک دیجئے۔ فرض کیجئے کوئی یہ کہے کہ اتوار کی چھٹی خلاف اسلام ہے' تو آیئے عدالت میں دلائل دیجئے' صرف اخباری بیانات سے تو مسئلہ حل نہیں ہوتا۔ اسی طرح اگر کسی کی رائے ہے کہ ویلیو پر پابندی کتاب و سُنّت کے منافی ہے تو وہ عدالت میں جا کر اسے چیلنج کر سکتا ہے۔ اس طرح ہر معاملے کا جائزہ لینے کے لئے راستہ کھل جائے گا۔

اپنے مطالبات پیش کرنے سے پہلے میں ایک بار پھر عرض کروں گا کہ یہ وقت اِن اقدامات کے لئے نہایت موزوں ہے۔ ایک تو اس اعتبار سے بھی' جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ مسلم لیگ کا احیاء ہوا ہے' اسے عوام کی طرف سے بہت بھاری مینڈیٹ ملا ہے اور قومی اسمبلی میں ایک جماعت کی حیثیت سے اسے دو تہائی سے زیادہ اکثریت حاصل ہے' لہٰذا اس کے لئے کوئی رکاوٹ نہیں ہے اور ایک اس اعتبار سے بھی کہ اِس وقت ہمارے

سیاسی نظام میں چوٹی کی دونوں شخصیتیں یعنی صدر مملکت اور وزیر اعظم دونوں کا تعلق ایسے شریف خاندانوں سے ہے جہاں مذہبی روایات اور اسلامی شعائر کا پاس کیا جاتا ہے۔ اگرچہ صدر مملکت ایک جاگیردار ہیں' لیکن شخصی اعتبار سے ان میں وہ برائیاں نہیں ہیں جو عام جاگیرداروں کے اندر ہوتی ہیں' بلکہ ان میں ذاتی طور پر بہت سی بھلائیاں ہیں۔ اسی طرح وزیر اعظم اگرچہ ایک سرمایہ دار ہیں اور ظاہر ہے کہ ان کے سرمایہ دار بننے کی بنیاد سرمایہ کاری ہے جو سود پر مبنی ہوتی ہے' جو جاگیرداری ہی کی طرح ایک لعنت ہے' لیکن وہ بھی ذاتی طور پر شریف النفس ہیں اور ان کا خاندان بھی نیک اور مذہبی شعائر کا پابند ہے۔ اس اعتبار سے شاید اس سے بہتر موقع کوئی اور نہ مل سکے۔ لہٰذا اس سے بھرپور فائدہ اٹھایا جانا چاہئے اور تمام دینی عناصر کو اپنے اپنے طور پر یہ مطالبہ اٹھانا چاہئے۔ میرے نزدیک اس مقصد کے لئے کوئی متحدہ محاذ بنانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ ہم اس مطالبہ کو لے کر اٹھے ہیں' لیکن ابھی ہم حکومت کے خلاف کسی چیلنج کے موڈ میں نہیں ہیں' بلکہ ہم ان کے آگے ہاتھ جوڑیں گے' گزارش کریں گے کہ خدا کے لئے اس موقع کو غنیمت جانو' اس کی اہمیت کو سمجھو کہ اگر اس وقت اس سمت میں قدم نہ اٹھایا گیا تو پھر بعد میں حسرت و ندامت کا کوئی فائدہ نہ ہو گا۔ بہرحال اب میں "مطالبۂ تکمیل دستورِ اسلامی" کا متن پیش کر رہا ہوں :

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْم

"اگر تم شکر کرو گے تو ہم مزید نوازیں گے اور اگر کفر کرو گے تو میرا عذاب بھی بہت سخت ہے"

(سورۂ ابراہیم : آیت نمبر۷)

ہم مطالبہ کرتے ہیں کہ

اللہ تعالیٰ نے وزیر اعظم پاکستان میاں محمد نواز شریف کے ذریعے پاکستان مسلم لیگ کو جو نئی زندگی عطا فرمائی ہے جس کے ذریعے تحریک پاکستان کا سا جذبہ از سرِ نو تازہ ہوا ہے' اس کے شکرانے کے طور پر وہ جلد از جلد سلطنتِ خداداد پاکستان کے دستور میں حسب ذیل تبدیلیاں کرائیں :

۱) دستور کی دفعہ ۲ میں شق (ب) کا اضافہ کیا جائے کہ : "پاکستان میں وفاقی' صوبائی' ضلعی کسی بھی سطح پر کوئی قانون سازی کلی یا جزوی طور پر کتاب و سُنّت کے منافی نہیں کی جاسکے گی"۔

(واضح رہے کہ دستور کی دفعہ ۲ میں یہ صراحت موجود ہے کہ پاکستان کا سرکاری مذہب اسلام ہے' اور دفعہ ۲۔ الف قراردادِ مقاصد پر مشتمل ہے۔)

۲) پورے دستور میں جہاں بھی کوئی شے دستور کی دفعہ ۲ ۔ الف (قراردادِ مقاصد) کے منافی ہے اسے یا خارج کیا جائے یا صراحتاً قراردادِ مقاصد کے تابع کیا جائے۔

۳) دستور کی دفعہ ۲۰۳ (ب) کی ذیلی شق (ج) کے ذریعے فیڈرل شریعت کورٹ کے دائرہ کار سے جو استثناء دستور پاکستان' مسلم پرسنل لاء اور جوڈیشل لاز کو دیا گیا ہے اسے ختم کیا جائے۔

(یاد رہے کہ مالیاتی معاملات کو بھی فیڈرل شریعت کورٹ کے دائرہ اختیار سے باہر رکھا گیا تھا' لیکن یہ استثناء صرف دس سال کے لئے تھا جو ۱۹۹۰ء میں ختم ہو گیا اور مالیاتی معاملات شریعت کورٹ کے دائرہ اختیار میں آگئے۔)

۴) وفاقی شرعی عدالت کے ججوں کی شرائطِ ملازمت کو ہائی کورٹ اور سپریم کورٹ کے ججوں کی طرح مستحکم بنایا جائے تاکہ وہ اپنے فرائض کی ادائیگی میں ہر قسم کے دباؤ سے مکمل طور پر آزاد ہوں!

ان چار مطالبات کے علاوہ ہمارا اضافی مطالبہ یہ ہے کہ :

فیڈرل شریعت کورٹ نے جو فیصلہ بینک انٹرسٹ کے "ربا" اور اس کے نتیجے کے طور پر حرامِ مطلق ہونے کے ضمن میں دیا تھا اس کے خلاف اپیل واپس لی جائے اور ایک سال کے اندر اندر پاکستان کی معیشت کو سود کی لعنت سے پاک کر کے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے خلاف جنگ بند کر دی جائے۔ تاکہ اللہ کی نصرت و رحمت ملک اور مِلّت کے

شاملِ حال ہو سکے!

یہ مطالبہ چار چیزوں پر مشتمل ہے' جو حقیقت میں دو ہیں۔ اس لئے کہ فیڈرل شریعت کورٹ پر عائد پابندیوں کو ختم کیا جائے اور اس کے ججوں کی شرائط ملازمت اور status کو سپریم کورٹ اور ہائی کورٹ کے ججوں کی سطح تک لایا جائے' یہ درحقیقت ایک ہی بات ہے' دوسرے یہ کہ قرارداد مقاصد تو پہلے سے آئین میں اس کے Sbstantive Part کے طور پر موجود ہے۔ دستور میں جو چیزیں بھی اس کے منافی ہیں' انہیں یا تو سرے سے خارج کر دیا جائے' یا قرارداد مقاصد کے تابع کیا جائے۔ اور یہ طے کر دیا جائے کہ اس ملک میں کوئی قانون سازی کسی بھی سطح پر قرآن و سنت کے منافی نہیں ہو سکے گی۔

مسلمانانِ پاکستان کا دینی فریضہ

ہم نے "مطالبہ تکمیل دستور اسلامی" کی مہم کا آغاز کر دیا ہے۔ اس مطالبہ پر مشتمل ہینڈ بل بھی بڑی تعداد میں شائع کرا کر تقسیم کئے گئے ہیں اور ایک پوسٹ کارڈ بھی تیار کیا گیا ہے۔ اس مطالباتی مہم کے لئے ہمیں آپ کا تعاون اور مدد درکار ہے۔ یہ مسلمانانِ پاکستان کا دینی فریضہ ہے' لہٰذا آگے بڑھئے اور اس کام میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیجئے۔ ایک حدیث میں یہ الفاظ آئے ہیں :

((مَنْ مَشٰی مَعَ فَاسِقٍ لِیُقَوِّیَهٗ فَقَدْ اَعَانَ عَلٰی هَدْمِ الْاِسْلَامِ))

یعنی "جو شخص کسی فاسق کی تقویت کا باعث بننے کے لئے اس کے ہمراہ چلا تو اس نے گویا اسلام کی عمارت منہدم کرنے میں مدد دی"۔ اس کے برعکس اگر کوئی شخص نیکی کے کام میں تعاون کرتا ہے اور کسی ایسے مطالبے کا ساتھ دیتا ہے جس سے نفاذِ شریعت اور نظامِ خلافت کے قیام کی راہ ہموار ہوتی ہے تو اس نے گویا احیاءِ اسلام میں اپنا حصہ ڈالا ہے۔

اس مہم میں ہمارے ساتھ تعاون کی ایک عملی صورت یہ ہے کہ تکمیل دستور اسلامی کے مطالبہ پر مشتمل یہ پوسٹ کارڈ آپ زیادہ سے زیادہ تعداد میں حاصل کریں اور اپنے

دوست واحباب کو اس سلسلہ میں قائل کریں اور انہیں بتائیں کہ وہ یہ کارڈ اپنے نام اور پتے کے ساتھ وزیر اعظم نواز شریف کو ارسال کریں۔ اس کے لئے انہیں اس کی اہمیت سے بھی آگاہ کریں کہ ایسا کرنے سے اس ملک میں غیر اسلامی قوانین کے خاتمے کی راہ ہموار ہو سکتی ہے اور ہم اجتماعی اور دستوری سطح پر مسلمان ہو سکتے ہیں۔ مذکورہ بالا پوسٹ کارڈز کے علاوہ ہم نے ٹیلی گرام کے لئے بھی یہی مضمون اختصار کے ساتھ تیار کیا ہے۔ اگر یہ کارڈز اور ٹیلی گرام بہت بڑی تعداد میں نواز شریف صاحب کو پہنچیں گے تو انہیں بھی یہ معلوم ہو گا کہ اسلامائزیشن اس ملک کے لوگوں کی خواہش ہے۔ یہ تو سب جانتے ہیں کہ اگر نواز شریف صاحب نے اس جانب کوئی قدم اٹھایا تو پوری دنیا میں خطرے کی گھنٹیاں بج اٹھیں گی اور ان پر عالمی دباؤ بڑھے گا۔ لیکن ان خطرے کی گھنٹیوں اور عالمی دباؤ کے مقابلہ کا ذریعہ بھی یہی ہے کہ عوام نواز شریف سے آئینی اصلاحات کا مطالبہ کریں تاکہ دنیا کو معلوم ہو جائے کہ نواز شریف صاحب نے یہ اقدامات ذاتی طور پر نہیں کئے بلکہ یہ ملک کے عوام کی خواہشات اور امنگوں کے آئینہ دار ہیں۔ ملک کے عوام یہ چاہتے ہیں۔ اور اگر عوام کی طرف سے یہ مطالبہ نہیں آتا اور وہ عوامی حمایت کے بغیر کوئی قدم اٹھا دیتے ہیں تو عالمی طاقتوں کے گماشتے اسے نواز شریف کی "شرارت" قرار دے کر ان کے درپے ہو جائیں گے۔ یہی وجہ ہے کہ میں صراحت کر چکا ہوں کہ ہماری یہ مہم نواز شریف صاحب کی مخالفت پر مبنی نہیں ہے۔ ہمارے پیش نظر نہ تو کوئی سیاسی تحریک اٹھانا ہے اور نہ ہی کسی حکومت کو غیر مستحکم کرنا یا گرانا ہے۔ سب کو معلوم ہے کہ ہم اس میدان کے کھلاڑی نہیں، ہم اس کھیل میں شامل ہی نہیں، لیکن جو کام اس وقت ہمارے پیش نظر ہے یہ وقت کی اہم ترین ضرورت ہے اور اللہ تعالیٰ کے ہاں سرخرو ہونے کے لئے بہت ضروری ہے، تاکہ ہم اللہ تعالیٰ کے حضور یہ عرض کر سکیں کہ اے اللہ! ہم نے تو اپنی استطاعت کے مطابق اس کام میں حصہ لیا تھا اور تیرے دین کے قیام کی راہ ہموار کرنے کے لئے ارباب اقتدار سے مطالبہ کیا تھا۔ (مرتب : محبوب الحق عاجز)

اقول قولی ہٰذا واستغفر اللّٰہ لی ولکم ولسائر المسلمین وَالمسلمات OO

حقیقتِ تصوّف (۳)

امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد کا ایک اہم خطاب

جس کے بعض حصوں کو "تنظیم الاخوان" نے سیاق و سباق سے کاٹ کر عام کیا

تنظیم اسلامی کے ملتزم رفقاء کی ایک خصوصی تربیت گاہ میں امیر تنظیم اسلامی نے "حقیقت تصوف" کے عنوان پر جو اظہار خیال فرمایا تھا اس کی دو اقساط میثاق کے صفحات میں شائع ہو چکی ہیں۔ ان اقساط میں خطاب کے ان حصوں کو جلی حروف میں نمایاں طور پر شائع کیا گیا تھا جنہیں ہمارے "الاخوانی" دوستوں نے اپنے کیسٹ میں حذف کر دیا تھا۔ اس ماہ اس خطاب کی تیسری قسط ہدیہ قارئین ہے' جو اس اعتبار سے خصوصی اہمیت کی حامل ہے کہ تصوف کے بارے میں اس نہایت اہم خطاب کا یہ پورا حصہ تنظیم الاخوان کے تیار کردہ کیسٹ میں شامل نہیں کیا گیا' اور اس کی جگہ مذکورہ بالا تربیت گاہ میں ہونے والے امیر محترم کے دیگر خطابات میں سے بعض متفرق حصے سیاق و سباق کے بغیر کیسٹ میں شامل کئے گئے ہیں۔ (ادارہ)

قرآن و سُنّت کی ایک بنیادی اصطلاح "احسان" جس کے لئے بعد کے ادوار میں "تصوف" کا لفظ اختیار کر لیا گیا' اس کے مقاصد اور اس کے منصوص و مسنون اور ماثور طریقوں پر ہم گفتگو کر چکے ہیں۔ اب ہمارے سامنے موضوع یہ ہے کہ اس ضمن میں حضور ﷺ کے بتائے ہوئے راستے سے انحراف کس نوعیت کا تھا اور یہ کن اسباب سے ہوا؟ اس بحث کو میں دو عنوانات کے تحت بیان کرنا چاہتا ہوں۔

قرآن حکیم سے بُعد

اس ضمن میں پہلا نکتہ ہے قرآن حکیم سے بُعد کا پیدا ہونا۔ اسلام کے ابتدائی دور کے بعد ہم دیکھتے ہیں کہ ذکر الٰہی کے لئے مرکز و محور قرآن حکیم نہ رہا' بلکہ اس کے بجائے رفتہ

رفتہ رفتہ نت نئے اوراد و اذکار رائج ہونے لگے۔ قرآن حکیم سے دُوری کا اصل سبب تو وہ فطری اور طبعی معاملہ تھا جسے میں "قرآن اور جہاد" نامی اپنی تحریر میں بیان کر چکا ہوں (یہ تحریر اب "دعوت رجوع الی القرآن کا منظرو پس منظر" میں شامل کر دی گئی ہے۔) تاہم اس دوری کے بعض ثانوی اسباب بھی تھے۔ سب سے پہلے اصل اور بنیادی وجہ کو سمجھئے۔ اسلام کے اولین دور میں اہم ترین حقیقتیں دو ہی تھیں' یعنی قرآن اور جہاد۔ ایک مرد مومن کی شخصیت کا جو معنوی ہیولا خود قرآن سے ہمارے سامنے آتا ہے وہ یہی ہے کہ اس کے ایک ہاتھ میں قرآن ہو گا اور دوسرے میں تلوار۔ قرآن سے ایمان حقیقی حاصل ہوتا ہے اور ایمان کا عملی اظہار جہاد فی سبیل اللہ کی صورت میں ہوتا ہے۔ لیکن جب اسلام دعوت و تحریک کے مرحلے سے گزر کر سلطنت و ریاست کے مرحلے میں داخل ہو گیا تو اس تبدیلی کے بعض فطری' طبعی' منطقی' اور ناگزیر (inevitable) نتائج بر آمد ہوئے۔ یہ نتائج اسی طرح ناگزیر تھے جیسے جوانی کے بعد بڑھاپا آتا ہے۔ سلطنت اور ریاست میں اصل زور قانون پر ہوتا ہے' لہٰذا ہمارے ہاں بھی ایمان کے بجائے اسلام پر اور باطن کے بجائے ظاہر پر توجہات کا ارتکاز ہو گیا۔ قرآن پر سے توجہ کم ہونے لگی اور تعلیم و تعلم اور تدبر و تفکر کے اصل موضوعات اب حدیث و فقہ بن گئے۔ اس بات کو اچھی طرح سمجھ لینے کی ضرورت ہے تاکہ انحراف عن القرآن کے حوالے سے ہم میں اسلاف سے سوئے ظن نہ پیدا ہو جائے۔ ایمان کے بجائے اسلام اور قرآن کے بجائے فقہ و قانون پر توجہ کسی بدنیتی کی وجہ سے نہیں ہوئی' بلکہ یہ اسلام کے سلطنت و ریاست کے دور میں داخل ہو جانے کا منطقی اور Unavoidable نتیجہ تھا۔ البتہ اس میں کچھ ثانوی اسباب بھی ہوئے کہ جب ہمارے ہاں دور ملوکیت میں دولت پرستی اور جاگیرداری آئی تو مقتدر طبقات نے شعوری طور پر کوشش کی کہ عوام کے سامنے قرآن نہ رہے۔ ؏ چشمِ مسلم سے رہے پوشیدہ یہ آئیں تو خوب۔ اس لئے کہ اگر قرآن کی اصل تعلیمات لوگوں کے سامنے آئیں گی تو وہ ہمیں اسی پیمانے پر ناپیں گے اور نتیجتاً ہم پر تنقیدی نگاہیں اٹھیں گی۔ لہٰذا بہتر یہی ہے کہ اس کتاب کو "بند" رکھا جائے۔ اس موضوع پر جناب یوسف سلیم چشتی مرحوم کا ایک نہایت قیمتی مقالہ (قرآن حکیم سے بُعد و بیگانگی کے اسباب) "حکمت قرآن" (ستمبر ۹۴ء) میں شائع

ہو چکا ہے۔

میں نے عرض کیا تھا کہ ہر بدعت کسی نہ کسی سنت کی جگہ لیتی ہے۔ اسی طرح اگر کوئی صحیح اور مطلوب شے اپنی جگہ سے ہٹے گی تو لامحالہ کوئی غلط شے اس کی جگہ لے گی۔ چنانچہ جب ذکر کے حوالے سے قرآن حکیم مرکز و محور نہ رہا تو اس مقصد کے لئے مختلف اقسام کے اوراد و اذکار اختیار کئے جانے لگے۔ ان اذکار کے متعلق خود اہل تصوف بھی تسلیم کرتے ہیں کہ یہ طریقے مسنون نہیں ہیں۔ ان کا کوئی تعلق کتاب و سنت سے نہیں ہے۔ لیکن وہ دلیل یہ اختیار کرتے ہیں کہ یہ چیزیں اجتہاد کے ذریعے اختیار کی گئیں ہیں۔ میں اس دلیل کو تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں ہوں' اس لئے کہ یہ چیزیں اجتہاد کی تعریف پر پوری نہیں اترتی ہیں' بلکہ یہ در حقیقت ایجاد و ابتداع کے دائرے میں آتی ہیں۔

اس سلسلے میں دوسرا نکتہ یہ ہے کہ معاملہ صرف قرآن کی جگہ دوسرے اذکار کے اختیار کئے جانے تک محدود نہ رہا' بلکہ ان اذکار کی شدت اور مقدار میں بھی اضافہ کرنا پڑتا۔ ظاہر ہے کہ قرآن حکیم کی غیر معمولی تاثیر اور ان اذکار کے اثرات میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ ذکر کے لئے کوئی بھی طریقے اختیار کر لئے جائیں' خواہ وہ مجتہدانہ ہوں یا مبتدعانہ' ان میں قرآنِ حکیم کی سی تاثیر تو پیدا نہیں ہو سکتی۔ لہٰذا ان اوراد و اذکار کی کیفیت (Quality) میں جو کمی تھی اسے مقدار (Quantity) میں غیر معمولی اضافے کے ذریعے پورا کرنے کی کوشش کی گئی اور نہایت مشقت طلب طریقے اختیار کرنا پڑے۔ نتیجتاً قرآن پر سے توجہ مزید کم ہو گئی۔ اس طرح گویا ایک Vicious Circle وجود میں آگیا کہ اولاً تو ایک طبعی سبب سے قرآن پر توجہ میں کمی آئی' اس کے نتیجے میں روحانی پیاس کو بجھانے کے لئے نت نئے اوراد و اذکار اختیار کئے جانے لگے' اور قرآن گویا از کار رفتہ ہوتا چلا گیا۔

قرآن حکیم سے دوری کا جو سب سے خطرناک نتیجہ برآمد ہوا وہ یہ تھا کہ قرآن کے فلسفہ و حکمت سے بھی بُعد پیدا ہو گیا۔ ظاہر ہے کہ قرآن صرف ذکرِ الٰہی کا ذریعہ ہی نہیں بلکہ اپنے پڑھنے والوں کی ذہنی اور عقلی اعتبار سے رہنمائی بھی کرتا ہے۔ انسان کی فلسفیانہ پیاس کو بجھانے کا سامان بھی اسی کتاب میں ہے۔ حقیقت اور معرفت کی تلاش کے جذبے کو بھی قرآن ہی سے تسکین ملتی ہے۔ عالم اسلام میں قرآن حکیم سے دوری نے ایک فکری خلا کو

جنم دیا' اور پھر یونانی فلسفہ و منطق اور نوافلاطونیت (Neo-Platonism) کے افکار کی یلغار ہوئی تو ہمارے بڑے بڑے ذہن اس سے آزاد نہ رہ سکے۔ شاہ ولی اللہ دہلوی" جیسی شخصیت افلاطون کے خیالات سے آزاد نہ ہو سکی تو پھر اور کس کی بات کی جائے! یہاں تک کہ ہمارے ہاں علم الاخلاق پر جو کتابیں تصنیف کی گئیں ان میں بھی یونانی حکماء ہی کی پیروی نظر آتی ہے۔ چنانچہ قرآن حکیم کے فلسفہ و حکمت سے دوری کی وجہ سے جو فکری خلاء (Intellectual Vacuum) پیدا ہوا تھا وہ انہی بیرونی فلسفوں کی مدد سے پُر کیا گیا' اور اس عمل نے ہمیں قرآن حکیم سے مزید دور کر دیا۔ یہ دوری اس معنی میں نہیں تھی کہ قرآن کو ماننا چھوڑ دیا گیا ہو' یا اسے پڑھنا ترک کر دیا گیا۔ مسلمانوں کا قرآن پر ایمان بھی رہا' اس کی تلاوت بھی ہوتی رہی' لیکن قرآن حکیم کے ذریعے اپنی ذہنی و فکری پیاس کو بجھانے کا سلسلہ ختم ہو گیا' قرآن مجید کے ذریعے اپنی روحانی ترقی کی کوشش کا معاملہ نہ رہا' قرآن سے ہماری نسبت ختم ہو گئی اور تعلق منقطع ہو گیا۔ بقول اقبال ۔

خوار از مہجوریٔ قرآں شدی
شکوہ سنجِ گردشِ دوراں شدی
اے چوں شبنم بر زمیں افتندۂ
در بغل داری کتابِ زندۂ

چنانچہ وعظ و نصیحت کا سلسلہ تو برقرار رہا لیکن اس میں بھی قرآن حکیم کو مرکزی حیثیت حاصل نہ رہی ۔

واعظِ دستاں زن و افسانہ بند
معنیٔ اُو پست و حرفِ او بلند
از خطیب و دیلمی گفتارِ اُو
با ضعیف و شاذ و مرسل کارِ اُو

یعنی واعظ کا حال یہ ہے کہ ہاتھ بھی خوب چلاتا ہے اور سماں بھی خوب باندھ دیتا ہے۔ اس کے الفاظ اگرچہ پر شکوہ ہیں' لفاظی انتہا کی ہے' لیکن معنی و مفہوم کے اعتبار سے نہایت پست اور ہلکے ہیں۔ ان میں کوئی مغز (essence) ہے ہی نہیں۔ اس کی ساری گفتگو خطیب

بغدادی یا امام دیلمی سے ماخوذ ہے' اور اس کا سارا سروکار محض ضعیف' شاذ اور مرسل احادیث پر رہ گیا ہے۔ گویا کچھ قصے کہانیاں ہیں' صوفیاء کے مبالغہ آمیز اور جھوٹے سچے واقعات ہیں جن کی بنیاد پر سارا وعظ کہا جاتا ہے۔ یہ معاملہ تو ہمارے دور میں تبلیغی جماعت تک پہنچا ہوا ہے' جن کے ہاں فضائل کی کتابوں میں اکثر و بیشتر ضعیف احادیث ہی کی بھرمار ہے۔ اسی طرح تزکیۂ نفس کا معاملہ ہے۔

صوفیٔ پشمینہ پوشِ حال مست
از شرابِ نغمۂ قوّال مست
آتش از شعرِ عراقی در دلش
در نمی سازد بقرآں محفلش

یعنی "صوفی کی محفل میں قرآن کا ذکر ہی نہیں! اس کے ساتھ اسے سازگاری اور موافقت ہی نہیں۔ ہاں قوال کے نغمے سے وہ مدہوش ہو جاتا ہے' عراقی کے شعر سے اس کے دل میں آگ بھر جاتی ہے۔"

الغرض قرآن سے دوری وہ پہلا قدم تھا جس کی بدولت حضور ﷺ کے بتائے ہوئے طریقے سے انحراف شروع ہوا۔ ذکر تو جاری رہا لیکن اس کے ضمن میں تمام تر توجہ قرآن سے ہٹ کر دیگر اوراد و اذکار پر مرکوز ہو گئی۔ آج جو شے "ذکر" شمار ہوتی ہے اس کا کوئی سراغ اور اس کی کوئی سند قرآن و حدیث میں موجود نہیں' اور یہ حقیقت اہلِ تصوف بھی تسلیم کرتے ہیں۔ چنانچہ مولانا محمد اکرم اعوان صاحب کے مرشد مولانا اللہ یار چکڑالوی نے "دلائل السلوک" نامی کتاب میں مانا ہے کہ یہ طریقے مسنون نہیں ہیں' بلکہ انہیں اجتہاد کے ذریعے اختیار کیا گیا ہے۔ لیکن جیسا کہ میں عرض کر چکا ہوں یہ اجتہاد نہیں بلکہ ابتداع و ایجاد ہے۔

گزشتہ نشست میں ایک نکتہ میں نے جان بوجھ کر چھوڑ دیا تھا' لیکن اب میں چاہتا ہوں کہ اسے بھی بیان کر دوں۔ میں اپنے دروس میں ہمیشہ "ذکر" کے چار ذرائع بیان کرتا رہا ہوں' لیکن اس مرتبہ میں نے صرف تین ہی ذرائع بیان کئے تھے' یعنی "الذکر" خود قرآن حکیم' پھر ذکر کی جامع ترین شکل نماز' پھر اذکارِ مسنونہ روز مرہ معمولات کے حوالے سے' یا

وہ تسبیحات جو حضور ﷺ نے تلقین فرمائی ہیں۔ چوتھی چیز ہے کوئی مخصوص ذکر جو کسی خاص شخص کے لئے تجویز کیا جائے۔ یہ دراصل معالجۂ نفس کے لئے ہوتا ہے۔ اس نکتے کو مخالفتِ نفس ہی کے ضمن میں شامل کر لیجئے کہ اللہ تعالیٰ نے مختلف لوگوں کے مختلف مزاج بنائے ہیں۔ کسی پر شہوت کا غلبہ زیادہ ہے لیکن مال و دولت کی حرص نہیں' کسی کے لئے اصل شے ہی پیسہ ہے اور کسی دوسری چیز سے اسے کوئی دلچسپی نہیں' کسی کی اصل خواہش شہرت کا حصول ہے جس کے لئے وہ سب کچھ قربان کرنے کے لئے آمادہ ہے' یا کسی کو صرف وجاہت اور اقتدار کی آرزو ہے۔ لہٰذا انسانی نفسیات کا کوئی ماہر کسی خاص شخص کے محرکات و داعیاتِ نفس کا تجزیہ کر کے تشخیص کر لیتا ہے کہ اس پر کس شے کا غلبہ زیادہ ہے' اور پھر اسی تشخیص کو مدنظر رکھتے ہوئے وہ اس شخص کے لئے کوئی مخصوص ذکر تجویز کرتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس نوعیت کی چیزوں کو تمام لوگوں کے لئے مستقل مقام دے دینا حماقت ہو گی۔ مستقل حیثیت تو انہی چیزوں کی رہے گی جو محمدِ عربی ﷺ نے بتائی ہیں۔ البتہ آپؐ نے بھی بعض افراد کو مخصوص اذکار تلقین فرمائے ہیں جو اس چوتھی قسم میں شامل سمجھے جائیں گے۔

جہاد سے دُوری

سلوکِ محمدیؐ سے انحراف کا دوسرا سبب یہ ہوا کہ مخالفت نفس کی ریاضتوں کے ضمن میں دعوت و اقامتِ دین کی جدّوجُہد اور جہاد فی سبیل اللہ سرے سے خارج از بحث ہو گئے۔ اس کا بھی اصل سبب تو بالکل فطری اور طبعی تھا۔ یعنی جب اسلام دعوت و تحریک کے مرحلے میں تھا تو جہاد کی حیثیت فرض عین کی تھی۔ اس لئے کہ دعوت و تبلیغ بھی جہاد ہے' نظم کی پابندی بھی جہاد ہے' اور حق و باطل کے مابین براہ راست تصادم اور قتال کا مرحلہ آ جائے تو وہ بھی جہاد ہے۔ تاہم جب اسلام سلطنت و ریاست کے مرحلے میں داخل ہوا تو اب اس ہمہ گیر جہاد کا تصور سمٹ کر محض قتال تک محدود ہو کر رہ گیا۔ جہاد کو قتال کا ہم معنی قرار دے دیا گیا اور اس قتال کا مقصد بھی صرف مملکت کی سرحدوں کا دفاع اور اگر بس چلے تو توسیع تک محدود ہو گیا۔ ظاہر ہے کہ اگر کسی محاذ پر ایک مخصوص تعداد میں آدمیوں کی

ضرورت تھی اور اس تعداد میں آدمی نکل آئے تو گویا باقی سب کی طرف سے یہ فرض ادا ہو گیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جہاد فرض عین کے بجائے فرض کفایہ قرار پایا۔ یہ معاملہ تو دور خلافت راشدہ ہی میں ہو گیا تھا اور میں نے ہمیشہ عرض کیا ہے کہ اگر دین غالب ہو تو تقرب بالنوافل کا راستہ بالکل صحیح ہے۔ آپ نفلی عبادات کے ذریعے اللہ تعالیٰ کا جتنا بھی ممکن ہو قرب حاصل کریں' یا مخالفتِ نفس کے لئے جو ایک بہت بڑی اور جامع عبادت ہے' یعنی حج' اسے اختیار کریں۔

لیکن جب خلافت راشدہ بھی ختم ہو گئی تو اب مسئلہ دہرا ہو گیا۔ اب ملوکیت اور جاگیرداری پر مبنی ظالمانہ نظام آ گیا جس کے خلاف نظری طور پر جدّوجہد ہونا چاہئے تھی' لیکن عملی طور پر دو رکاوٹوں کے باعث نہیں ہو سکی۔ پہلی رکاوٹ یہ تھی کہ بعض لوگوں کے نزدیک فاسق و فاجر مسلمان حکمرانوں کے خلاف قتال صرف اسی صورت میں ہو سکتا ہے جبکہ وہ کفر کا حکم دیں۔ اس مفہوم کی بعض احادیث بھی موجود ہیں' لہٰذا ہمارے ہاں اہل حدیث مکتبہ فکر اسی موقف پر قائم ہے۔ البتہ اس معاملہ میں امام ابو حنیفہ ؒ نے واقعتاً مجتہدانہ بصیرت سے کام لیتے ہوئے خروج کا دروازہ کھولا ہے' لیکن انہوں نے بھی شرط اس قدر کڑی عائد کر دی کہ عملاً یہ ناقابل حصول ہو گیا۔ یعنی خروج اسی صورت میں ہو سکے گا جب کہ تبدیلی لانے کے لئے ضروری قوت فراہم ہو چکی ہو۔ اس دور میں چونکہ شہری حقوق کا تصور خصوصاً اظہار رائے اور جماعت سازی کا حق موجود ہی نہیں تھا تو یہ مطلوبہ قوت کیسے حاصل کی جاتی؟ ایسی کسی کوشش کو تو بغاوت کی تیاری سمجھ کر ابتدائی مرحلے ہی میں کچل دیا جاتا۔ تو یہ اس معاملے کی دوسری رکاوٹ تھی۔

اس طرح حضور ﷺ کے طریقہ تزکیہ اور طریقہ سلوک میں جو عملی شعبہ تھا' یعنی جہاد فی سبیل اللہ' وہ عملی طور پر کالعدم ہو کر رہ گیا۔ جہاد دراصل مخالفت نفس کا نہایت اہم عملی ذریعہ ہے۔ اس میں ایک انسان مشقت جھیلتا ہے' تکالیف اٹھاتا ہے' اپنی جان و مال کے لئے سو طرح کے خطرات مول لیتا ہے' مال خرچ کرتا ہے اور اس طرح مخالفت نفس بھی ہوتی ہے اور دوسرے پہلو سے روح کی ترقی بھی۔ دور ملوکیت میں تزکیہ نفس کا اتنا بڑا شعبہ defunct ہو گیا۔ میں مثال دیا کرتا ہوں کہ ایک درخت اوپر کی طرف اٹھ رہا ہے' اگر

اس کے راستے میں چھت آجاتی ہے تو اب وہ لامحالہ ٹیڑھا ہو کر مڑ جائے گا کیونکہ اوپر کی سمت میں تو اس کے لئے رکاوٹ ہے۔ چنانچہ ملوکیت وہ رکاوٹ یا چھت بن گئی جسے خواہی نخواہی قبول کرنا پڑا۔ نتیجتاً دورِ ملوکیت میں جب مخالفت نفس کا یہ اہم شعبہ بند ہوا تو اس کے حصے کا سارا بوجھ بھی اوراد واذکار اور مراقبوں اور چلوں پر آگیا۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے ہاں وہی نت نئے چلے' نت نئی ریاضتیں' سال ہا سال کی سیاحت' جنگلوں اور ویرانوں میں برسوں گزارنے کے طریقے رواج پا گئے' یہاں تک کہ اسلام میں بعینہٖ رہبانیت والا رنگ پیدا ہو گیا۔ حالانکہ حضور ﷺ نے واضح طور پر فرما دیا تھا : "لَا رَهْبَانِيَّةَ فِي الْإِسْلَامِ إِلَّا الْجِهَادُ فِي سَبِيلِ اللّٰه" اور "لَا سِيَاحَةَ فِي الاسلام إِلَّا الصَّوْم"۔ آپ صوفیاء کے قصے پڑھ لیجئے۔ ان میں وہی چالیس چالیس سال کی ریاضتوں اور شدید قسم کی مشقتوں کا تذکرہ ملے گا۔ بہت سے صوفیوں نے تجرد کی زندگی گزاری' اس لئے کہ گھر گرہستی کا کھکھیڑ مول لے کر تزکیۂ نفس کیسے کریں گے؟

اس معاملے کو ایک مرتبہ پھر سمجھ لیجئے کہ صدرِ اول میں اہم ترین حقیقتیں دو ہی تھیں۔ یعنی قرآن اور جہاد۔ اور ان دونوں کو link کرنے والا "ایمان" تھا۔ لیکن جب اسلام دعوت و تحریک کے مرحلے سے گزر کر سلطنت و ریاست کے دور میں داخل ہوا تو ایک طبعی اور فطری عمل کے طور پر توجہات میں shift پیدا ہو گیا۔ ایک طرف ذکر کے لئے قرآن پر سے توجہ ہٹ گئی اور اذکار کے مختلف طریقے رائج ہونے لگے' دوسری طرف دعوت و اقامتِ دین اور جہاد فی سبیل اللہ پر سے توجہ ہٹ گئی اور نہایت مشقت طلب اور غیر مسنون ریاضتیں رائج ہونے لگے۔ اس کے ساتھ ہی سارا زور نفلی عبادات پر آگیا' اور تقرب بالفرائض کے بجائے تقرب بالنوافل کا معاملہ بڑھتا چلا گیا۔

علاج اس کا.........!

اب آیئے اس سوال کی طرف کہ علاج کیا ہو؟ جب تشخیص ہو گئی کہ سلوکِ محمدیؐ سے انحراف کس نوعیت کا تھا اور کیونکر ہوا' تو اب علاج بھی ظاہر ہے' یعنی العَود الی البَدءِ۔ اسی طریقے کی طرف دوبارہ رجوع کیا جائے جو ابتداء میں اختیار کیا گیا تھا۔ اسی کا

نام تجدید ہے' اور اسی کو Revival اور Renaissance کہتے ہیں۔ یہ علاج بھی انحراف ہی کی طرح دو سطحوں پر کرنا ہو گا۔ اولاً رجوع الی القرآن۔ وہ توجہ جو قرآن سے ہٹ گئی تھی اسے دوبارہ اس پر مرکوز کریں' جو معاملہ غلط رخ پر پڑ گیا تھا اسے صحیح جگہ پر لائیں۔ ایمان کی شدت یا گہرائی بھی قرآن سے حاصل ہو گی اور ایمان کی گیرائی اور اس کا Intellectual Element بھی قرآن ہی سے ملے گا۔ معرفت کی پیاس بھی اسی سے بجھے گی اور تلاش حقیقت کے جذبے کی بھی اسی سے تسکین ہو گی۔ بقول اقبال ۔

چوں بجاں در رفت جاں دیگر شود
جاں چوں دیگر شد جہاں دیگر شود

اور ۔

کشتنِ ابلیس کارے مشکل است
زاں کہ اُو گم اندر اعماقِ دل است
خوشتر آں باشد مسلمانش کنی!
کشتۂ شمشیرِ قرآنش کنی!

ان اشعار میں اقبال کے فکر کی بلندی ملاحظہ کیجئے۔ میں نے اقبال کو فکر اسلامی کا مجدد یونہی تو نہیں مان لیا ہے!

قرآن حکیم کے متعلق ایک نکتہ اور ہے جسے ذہن نشین کر لینا چاہئے۔ کلامِ الٰہی کا ایک پہلو ہے اس کی تکرار' یعنی اسے پڑھتے رہو' پڑھتے رہو! اور دوسرا پہلو ہے اس کا فہم' تفقہ' غور و فکر' تدبر و تفہم۔ یہ دونوں پہلو ضروری ہیں' لیکن مقدار کے اعتبار سے ان کے مابین نسبت و تناسب کا معاملہ بر عکس رہے گا۔ اگر تفہم' تعقل اور تفقہ کم ہے تو تکرارِ تلاوت اور بار بار کی repetition پر زور دینا ہو گا۔ اور اگر غور و فکر کا معاملہ بڑھ جائے تو تکرار کی کم شدت سے بھی مطلوبہ مقصد حاصل ہو سکتا ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:
"سَنُرِيهِمْ اٰيٰتِنَا فِي الْاٰفَاقِ وَفِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ" (حٰمٓ السّجدۃ : ۵۳) "ہم انہیں عنقریب اپنی نشانیاں دکھائیں گے' آفاق میں بھی اور ان کے نفوس میں بھی' یہاں تک کہ ان پر یہ واضح ہو جائے گا کہ یہی

(قرآن) الحق ہے۔"

دیکھئے قرآن استخراجی منطق (Deductive Logic) کے استدلال سے ذات باری تعالیٰ کو نہیں منواتا' بلکہ استقرائی منطق (Inductive Logic) کو استعمال کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ اپنے چاروں طرف دیکھو' کائنات پر غور کرو' یہ تمام مظاہر فطرت اللہ تعالیٰ کی نشانیاں ہی تو ہیں۔ ؏ کھول آنکھ' زمیں دیکھ' فلک دیکھ' فضا دیکھ!

اس طرح آیاتِ ربانیہ کی تین اقسام ہو گئیں' قرآنی آیات' آفاقی آیات' اور انفسی آیات۔ ان تینوں کے مابین ہم آہنگی ہے اور ان پر غور و فکر کرنے کے نتیجے میں انسان کے اندر کا شعورِ خفتہ (Dormant Consciousness) ابھر کر سطح پر آ جاتا ہے۔ اسی کا نام تذکر ہے' یعنی یاد دہانی حاصل کرنا۔ یہی حصول ایمان کا طریقہ ہے۔ اب ظاہر ہے کہ آج مظاہر فطرت کا جتنا علم اور فہم انسان کو حاصل ہو چکا ہے وہ پہلے تو نہیں تھا۔ لہٰذا سائنسی حقائق کے منکشف اور مبرہن ہونے کی وجہ سے آج فہم قرآن کے بھی نئے سے نئے راستے کھل رہے ہیں' اور تعقّل و تفہمِ قرآن کا پہلو آج بہت زیادہ اہمیت اختیار کر چکا ہے جو اُس دور میں اِس انداز سے موجود نہ تھا۔ چنانچہ آج تذکر بالقرآن کی شعوری اور Intellectual جہت اصل اہمیت کی حامل بن چکی ہے۔ اسی نکتے سے علامہ اقبال کے اس موقف کا تعلق جڑتا ہے جو انہوں نے اپنی "تشکیل جدید الٰہیاتِ اسلامیہ" میں پیش کیا ہے کہ تزکیہ نفس کے لئے صوفیاء نے جو طریقے ایجاد اور اختیار کئے تھے' آج کے انسانوں کی طبائع ان مشقت طلب اور کٹھن ریاضتوں (Rigorous Exercises) کی متحمل نہیں ہو سکتیں۔ ہم نے مخالفتِ نفس کی ان ریاضتوں پر اس اعتبار سے تو غور کیا تھا کہ وہ مسنون نہیں بلکہ طریق محمدی ؐ سے انحراف و الحاد کی مظہر ہیں' اور ان غیر مسنون طریقوں کو اُس وقت اختیار کیا گیا جبکہ باطل اور نظام باطل کے خلاف جہاد کا دروازہ بند ہو گیا تھا' لیکن اس میں اضافی بات یہ بھی ہے کہ اُس دور کے صوفیاء نے جو شدید اور کٹھن ریاضتیں تجویز کی تھیں' آج کا انسان واقعتاً ان کا متحمل نہیں ہے۔ اس کمی کو پورا کرنے کے لئے لامحالہ تذکر بالقرآن کی Intellectual Dimension پر زور دینا ہو گا۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے علوم کے جو نئے دروازے انسان پر وا کئے ہیں اور جن کی بدولت قرآن مجید کے تفہم و

تعقل و تعمق کا معاملہ بہت آگے بڑھ گیا ہے' اس سے ان شدید مشقتوں اور ریاضتوں کی compensationہوتی ہے۔

علاج کے ضمن میں پہلا نکتہ رجوع القرآن ہے' اور دوسرا یہ ہے کہ مخالفتِ نفس کے لئے دوبارہ دعوت و اقامتِ دین کی جدوجہد کی طرف پلٹا جائے۔ عبادات میں تقرب بالفرائض پر زور ہو۔ اور صوفیاء کے دور میں نفلی عبادات پر جوover-emphasisہو گیا تھا اس سے رجوع کیا جائے۔ اس معاملے میں بھی جو مسنون عبادات ہیں ان کی حد تک تو ہر شخص کوشش کرے' لیکن تہذیب و تزکیۂ نفس کا اصل ذریعہ جہاد فی سبیل اللہ کو بنایا جائے اور ساری محنت و مشقت دعوت و اقامتِ دین کے راستے میں صرف کی جائے۔ میں آپ کو تجزیہ کر کے بتا چکا ہوں کہ مخالفتِ نفس کی ریاضتوں کے ذریعے جو مقاصد حاصل کئے جاتے تھے وہ تمام کے تمام جہاد کے راستے سے بھی پورے ہو جاتے ہیں۔ اس میں محنت و مشقت ہے جو نفس کی طلب استراحت و آرام کے خلاف ہے' اس میں انفاقِ وقت و مال ہے جو حُبِّ مال کے منافی ہے۔ آپ خطرات مول لیتے ہیں' اور دعوت آگے بڑھتی ہے تو جان ہتھیلی پر رکھ کر میدان میں آنے کا مرحلہ بھی آتا اور یہ بقائے ذات اور بقائے نسل کے داعیات کی مخالفت ہے۔

دوسرے یہ بات اس اعتبار سے بھی واضح ہو گئی کہ اب غلبۂ دین کا دَور نہیں ہے' اسلام اس وقت سلطنت و ریاست کے دور میں نہیں ہے' بلکہ حدیث نبویؐ کی رو سے تو یہ اسلام کی غربت کا زمانہ ہے۔ بَدَأَ الْاِسلامُ غریبًا وَسَیعودُ کَمَا بَدَأَ' فَطُوبٰی لِلْغرباءِ۔ لہٰذا منطقی طور پر بھی یہ بات درست ہے اور معقول و مطلوب ہے کہ اب دوبارہ جہاد فی سبیل اللہ کی طرف رجوع کیا جائے۔ اسلام کے سلطنت و ریاست کے دور میں اس ضمن میں جو کمی پیدا ہو گئی تھی وہ بھی آج کے دور میں موجود نہیں ہے۔ جب دوبارہ غلبہ دین ہو جائے گا تو پھر یہ مسئلہ بھی دوبارہ پیدا ہو گا' لیکن یہ ہمارا مسئلہ نہیں ہے۔ فی الوقت دین غالب نہیں ہے اور دعوت و اقامتِ دین کی جدوجہد اس وقت فرض عین بن چکی ہے۔ پھر یہ کہ دورِ ملوکیت میں جو رکاوٹ پیدا ہو گئی تھی وہ الحمد للہ آج کم از کم پاکستان میں اب تک تو نہیں ہے۔ آپ کو شہری حقوق حاصل ہیں۔ اظہار رائے' جماعت سازی

اور اجتماع کی آزادی موجود ہے۔ آپ پر کوئی قانونی قدغن نہیں 'کوئی ایسا قانون نہیں ہے جو اس کام میں رکاوٹ ڈالتا ہو۔ البتہ آپ نے بہت سی قدغنیں خود اپنے اوپر عائد کر رکھی ہیں۔ حُبِّ مال 'حُبِّ جاہ' آسائش اور عیش کی محبت! اب کسی کے لئے اس کا career ہی معبود بن چکا ہے 'اسے کیسے چھوڑ دے؟ کسی کے نزدیک اس کی ملازمت ہی معبود ہے گویا اس کے خیال کے مطابق اللہ تعالیٰ کی رزّاقیت اسی ملازمت کے ذریعے سے پوری ہو سکتی ہے 'کسی اور ذریعے سے پوری ہو ہی نہیں سکتی۔ یہ سب وہ رکاوٹیں ہیں جو آپ نے خود اختیار کر رکھی ہیں۔ ان کی ذمہ داری آپ پر ہے۔ خارجی طور پر تو کوئی رکاوٹ موجود نہیں ہے۔ آپ جتنا ایثار کر سکتے ہیں کریں 'جس قدر آگے بڑھ سکتے ہیں بڑھیں 'اس جدوجہد میں آپ جتنا گڑ ڈالیں گے اتنا ہی میٹھا ہوگا۔ "This depends entirely upon you" ---- آپ جتنی قربانی دیں گے اتنا ہی اپنی روحانی ترقی کا راستہ کھولیں گے۔ جتنی نفس کی مخالفت کریں گے اتنی ہی ارتقائے روحانی کی منازل طے ہوں گی۔ اب وہ معاملہ تو نہیں ہے کہ کوئی ذرا سی بات کرتا تو باغی اور گردن زدنی شمار ہو جاتا تھا۔ حضرت حسینؓ کو اسی لئے باغی سمجھا گیا کہ اُس وقت بیعت لے کر جنگ کرنے کے سوا کوئی اور راستہ تھا ہی نہیں۔ حضور ﷺ کے لئے اللہ تعالیٰ نے خصوصی طور پر اس جہاد کے ضمن میں سازگار حالات پیدا فرما دیئے تھے 'جنہیں میں نے حال ہی میں اپنی تقاریر میں واضح کیا ہے۔ جزیرہ نمائے عرب میں ایک مرکزی حکومت کا نہ ہونا درحقیقت حضور ﷺ کے لئے بہت بڑی سہولت تھی۔ دوسرے اُس وقت کی سپرپاورز یعنی روم اور ایران کا غافل رہنا' کہ انہیں پتا ہی نہیں چلا کہ ان کی جڑیں کٹ رہی ہیں۔ ان عوامل کی بدولت حضور ﷺ کو Breathing Space ملی۔ آپ کے علم میں ہے کہ حکومت نام کی کوئی شے اگر تھی تو کسی درجے میں مکہ میں تھی 'اور اسی لئے حضور ﷺ کو بالآخر وہاں سے نکلنا پڑا۔ اس حوالے سے پاکستان میں وہ رکاوٹیں موجود نہیں ہیں۔ یہ درست ہے کہ نظامِ باطل کے پاسبانوں کے پاس ہر نوع کے وسائل ہیں' وہ آپ کی کردار کُشی (Character Assasination) کر سکتے ہیں۔ بڑے سے بڑے قلمکاروں کو اس مقصد کے لئے خرید سکتے ہیں۔ چنانچہ یہ سب تو ہوگا' لیکن قانونی و آئینی اعتبار سے آپ کے ہاتھ

بندھے ہوئے نہیں ہیں۔

اب میں اس بحث کو سمیٹ رہا ہوں۔ دیکھئے تزکیۂ نفس اور تصوف کے حوالے سے بھی سارا تجزیہ اور ساری تشخیص اسی نکتے پر آ گئی، یعنی دعوت و اقامتِ دین کی جدّوجہد۔ اصل کام وہی ہے جو ہم کر رہے ہیں۔ ؏ آئی صدائے جبرئیل تیرا مقام ہے یہی! یہاں میں اس آیۂ مبارکہ کا حوالہ دوں گا کہ قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْ اَدْعُوْا اِلَى اللّٰهِ عَلٰى بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ ۔ الحمد للہ کہ جہاں تک فکر اور سوچ کا تعلق ہے تو یہ سارا تانابانا اور صغریٰ کبریٰ اس کام کے شروع کرنے سے پہلے ہی میرے ذہن میں مکمل تھا۔ اس کی گواہی کے لئے میرے کتابچوں "اسلام کی نشأۃِ ثانیہ" اور "مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق" کا مطالعہ کر لیجئے، یا "حقیقتِ زندگی" نامی مضمون دیکھ لیجئے جو ۱۹۶۶ء میں لکھا تھا، یا "اسلام میں عقل و نقل کی کشمکش" نامی تحریر ملاحظہ کر لیجئے جو ۱۹۶۸ء میں لکھی گئی تھی۔ اب میں اسی آیت کو دعا کی صورت میں تبدیل کر کے پڑھ رہا ہوں : هٰذهٖ سَبِيلى اَدعُوا الى اللّٰه على بصيرةٍ اَنَا وَمَن اتَّبعنى، سبحان اللّٰه ومَا انا مِنَ الْمُشرِكِين وَلا من الْمُبتَدِعين ۔ اللہ پاک ہے، میں نہ مشرکوں میں سے ہوں اور نہ مبتدعین میں سے۔

جہاں تک مقاصد کا تعلق ہے تو اہل تصوف کے مقاصد کو میں صد فیصد دین سمجھتا ہوں۔ میں نے آپ کو مولانا امین احسن اصلاحی صاحب کا قول سنایا تھا کہ اسلام کے اصل فلسفی صوفیاء ہی ہیں۔ لہٰذا اس پہلو کو بھی ذہن میں رکھئے کہ میری سوچ میں یہ عنصر بھی ہے خواہ وہ فلسفہ وجود کے حوالے سے ہو یا حقیقت زندگی اور حقیقت انسان کے حوالے سے۔ لیکن میرا اصل مبدا اور منبع، میرا اوڑھنا بچھونا، میری سوچ کا ماخذ اور Source درحقیقت قرآن حکیم ہی ہے۔ میری سوچ میں عقل و منطق یا قیاس کے حوالے سے جو اضافے ہیں وہ الگ رہیں گے، لیکن اس کا اصل تانابانا قرآن مجید کے محکمات پر قائم ہے۔ اس میں تصوف کا فلسفیانہ حصہ بھی شامل ہے، لیکن جہاں تک تصوف کے عملی پہلو کا تعلق ہے تو اس کے مطابق بات آپ کے سامنے آ گئی کہ اس کی اساس کیا تھی، کس طرح انحراف ہوا، اور کیوں

(باقی صفحہ ۶۵ پر)

پاکستان میں انسدادِ سود کی کوششوں کی تاریخ اور مستقبل کے امکانات ☆

——— مرتب : حافظ عاطف وحید ———

۱۔ حرمتِ سود

مندرجہ ذیل امور پر اب نہ صرف یہ کہ علماء کے مابین کوئی اختلاف نہیں بلکہ اسلامک آئیڈیالوجی کونسل اور فیڈرل شریعت کورٹ دونوں کا فیصلہ بھی اس کی تائید میں ہے کہ :

۱) سود حرام مطلق ہے چاہے وہ "مرکب" ہو یا "سادہ"۔

۲) سود حرام ہے چاہے قرضہ انفرادی ضرورتوں کے لئے ہو یا تجارتی مقاصد کے لئے۔

۳) سود صرف قرض میں ہی نہیں ہوتا بلکہ بیع میں بھی ہوتا ہے۔ قرض کے سود کو (جو کہ عام طور پر روپے پیسے میں ہوتا ہے) ربا النسیئہ اور بیع کے سود کو (جو کہ اشیاء کی خرید و فروخت یا اشیاء کے قرض میں ہوتا ہے) ربا الفضل کہتے ہیں۔

۴) اگر کوئی معاملہ سودی ہو تو اسے حرام جاننا چاہئے' چاہے اس میں "ظلم" بظاہر نظر آئے یا نہ آئے۔ مثلاً اگر صرف ایک فیصد شرح سود پر قرضہ دیا جا رہا ہو تو بھی یہ حرام ہو گا جبکہ اگر کسی بیع میں سو فیصدی منافع کمایا جا رہا ہو اور اس میں کوئی اور شرعی قباحت نہ ہو تو وہ جائز ہو گی۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے فتنہ انگیزوں کے اعتراض "اِنَّمَا الْبَیْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا" کا بس اتنا ہی جواب دیا ہے کہ "اَحَلَّ اللّٰہُ الْبَیْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا"۔

☆ اس مضمون کی تیاری میں جناب اکرم خان صاحب کی کتاب "Islamic Banking in Pakistan- The Future Path" اور ڈاکٹر سید طاہر کے مضمون Riba Free Alternatives for Modern Banking سے مدد لی گئی ہے۔

۲۔ پاکستان میں انسدادِ سود کی کوششوں کی تاریخ

۱) اسلامی آئیڈیالوجی کونسل کا فیصلہ (ruling) 1969-12-23 : اس فیصلے میں ہر نوع کے "interest" کو "ربا" قرار دیا گیا ہے چاہے قرض کا مقصد' شرح اور مدت کچھ بھی ہو اور فریقین کوئی بھی ہوں۔

۲) کونسل آف اسلامک آئیڈیالوجی کو 77-9-29 کا صدارتی حکم : اس میں کونسل کو حکم دیا گیا کہ وہ غیر سودی اسلامی معیشت کے خدو خال پر مبنی رپورٹ تیار کرے۔ کونسل نے اس مقصد کے لئے ماہرین کا ایک پینل تشکیل دیا جنہوں نے اپنی رپورٹ بنائی۔ کونسل نے اس رپورٹ کا جائزہ لے کر اس میں ضروری ترمیمات کر کے اپنی ایک الگ رپورٹ تیار کی اور 80-6-14 کو جاری کر دی۔ یہ ایک بہت اہم اور غیر سودی مالیات پر ابتدائی اعتبار سے نہایت مفید دستاویز ہے۔ یہ رپورٹ غیر سودی مالیات کے ضمن میں ایک مکمل خاکہ (blueprint) مہیا کرتی ہے اور اس میں تجارتی اور صنعتی مقاصد کے لئے سرمایہ کی فراہمی کے لئے بارہ متبادل صورتیں (alternative modes of financing) بھی تجویز کی گئیں ہیں۔

(نوٹ : یہ رپورٹ اواخر ۸۰ء تک وزارت خزانہ کے "سرد خانے" میں پڑی رہی۔ یہاں تک کہ اس کی اشاعت عام پر بھی پابندی لگی رہی اور اس کی "رہائی" اور طباعت و اشاعت کی اجازت کا مرحلہ اس وقت طے ہو سکا جب اس وقت کے آئیڈیالوجی کونسل کے چیئرمین جناب جسٹس (ر) تنزیل الرحمٰن صاحب نے ڈاکٹر اسرار احمد صاحب سے اس کی شکایت کی کہ جو اس وقت جنرل ضیاء الحق کی نامزد مجلس شوریٰ کے رکن تھے۔ چنانچہ ان کے پر زور اصرار پر جنرل صاحب موصوف نے اس کی طباعت کی اجازت مرحمت فرمائی!)

۳) سٹیٹ بینک کا حکم نامہ برائے کمرشل بینکس 1980ء : اس حکم نامہ (circular) میں تمام کمرشل بینکوں کو ہدایت کی گئی کہ یکم جنوری ۸۱ء سے کونسل کی رپورٹ کے مطابق اپنے operations کو اسلامی خطوط پر استوار کر لیں۔ یعنی آئندہ

سے نہ تو interest bearing deposits قبول کریں اور نہ ہی interest bearing lendingجاری کریں۔ کھاتہ داروں کے لئے پہلے سے جاری کرنٹ اکاؤنٹ کو برقرار رکھتے ہوئے saving account کی بجائے PLS اکاؤنٹ شروع کیا گیا اور تجارتی و صنعتی سرمایہ کاری (financing) کے لئے بینکوں کو مندرجہ ذیل بارہ متبادل صورتوں کا پابند کیا گیا :

(i) مضاربہ (ii) مشارکہ

(iii) اجارہ (iv) اجارہ واکتناع

(v) equity and participation (vi) rent sharing

(vii) اشیاء کی خرید و فروخت کے لئے بیع مرابحہ کی صورت میں مارک اپ فنانسنگ

(viii) جائیداد کی خرید کے لئے buy-back معاہدات

(ix) Participatory Term Certificates

(x) Trade Bills

(xi) Service Charges کی بنیاد پر غیر سودی قرضے اور

(xii) قرض حسنہ

۴) <u>سٹیٹ بینک کا سرکلر نمبر 13 برائے کمرشل بینکس 1984ء</u> : اس سرکلر کے مطابق بینکوں کو اجازت دی گئی کہ وہ بیع مرابحہ کی قیود سے آزاد مارک اپ فنانسنگ کی اساس پر عام قرضے بھی جاری کر سکتے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ بینکوں نے مضاربہ' مشارکہ' اجارہ وغیرہ کی بنیاد پر فنانسنگ ختم کر کے ان میں سے اکثر کے لئے مارک اپ کو اختیار کر لیا اور شرعی طور پر جائز modes of financing میں بھی ایسی تبدیلیاں کر لیں اور ایسی شرائط رکھ لیں کہ ان کی شکل بگڑ کر غیر شرعی یا سودی ہو گئی۔

۵) <u>فیڈرل شریعت کورٹ کا فیصلہ 1991ء</u> : نومبر 91ء کے اس فیصلے کے مطابق ملکی مالیاتی نظام کے جملہ معاملات میں اور قوانین میں interest پر "الربا المحرم" کا اطلاق ہوتا ہے۔ مزید برآں "مارک اپ" کے نام پر جو نام نہاد غیر سودی فنانسنگ جاری ہے وہ بھی در حقیقت "سود" ہی ہے۔ کورٹ نے وفاقی حکومت کو ہدایت دی کہ 30 جون

92ء تک تمام سودی معاملات سے سود کو ختم کر کے غیر سودی متبادلات کو جاری کیا جائے۔ ایسا نہ کرنے کی صورت میں مذکورہ تاریخ کے بعد سودی لین دین سے متعلق تمام قوانین غیر مؤثر ہو جائیں گے۔

۶) فیڈرل شریعت کورٹ کے فیصلہ کے خلاف حکومتی اپیل : حکومت نے فیڈرل شریعت کورٹ کے فیصلے پر عمل درآمد کے لئے ماہرین کے ذریعے بینکاری کا متبادل نظام تجویز کرنے کی مساعی شروع کرنے کے بجائے سپریم کورٹ کے اپیلیٹ بینچ میں اس فیصلے کے خلاف اپیل دائر کر دی اور تاحال معاملہ سپریم کورٹ کے پاس pending ہے۔ اس دوران سپریم کورٹ نے ایک سوالنامے کے ذریعے ملک کے معروف علماء' ماہرین معاشیات اور قانون دانوں سے مختلف معاملات پر ان کی آراء اور تجاویز مانگی ہیں۔ گویا سپریم کورٹ تمام معاملات کا از سر نو جائزہ لینا چاہتی ہے۔

۷) "Commission for Islamization of the Economy" : مرکزی حکومت نے FSC کے فیصلے کے خلاف اپیل دائر کرنے کے ساتھ ساتھ متذکرہ بالا عنوان سے ایک کمیشن بھی قائم کیا جس کا سربراہ سٹیٹ بینک آف پاکستان کے گورنر ہی کو بنایا گیا۔ اس کمیشن نے جون 92ء میں ماہرین کے ایک working group کے کام پر مبنی رپورٹ (جو طبع تو ہو گئی ہے لیکن منظر عام سے غائب کر دی گئی ہے) میں یہ رائے دی کہ مارک اپ سمیت تمام قسم کے interest اصلاً ربا ہی ہیں۔

گویا اس طرح انسداد سود کی اب تک کی جملہ مساعی کا حاصل صفر ہے۔ اور اس وقت پاکستان میں بینکوں کی FINANCING کی اکثر و بیشتر اور اہم ترمدات میں تو اعلانیہ طور پر مارک اپ کا وہ اصول کارفرما ہے جو کونسل آف اسلامک آئیڈیالوجی' فیڈرل شریعت کورٹ' اور کمیشن فار اسلامائزیشن سب کے نزدیک "ربا" ہے۔ مزید برآں جن چند غیر سودی مدات کا آغاز کیا گیا تھا ان میں سے بعض اگرچہ بظاہر ابھی جاری ہیں' جیسے اجارہ' مشارکہ' تعمیراتی فنانسنگ اور N.I.T' ICP کی سکیمیں' لیکن ان سب کے قواعد و ضوابط میں بھی رفتہ رفتہ جو تبدیلیاں کر دی گئی ہیں ان کی بنا پر یہ

سب بھی "ربا" ہی کی صورت اختیار کر چکی ہیں اور ۱۹۹۱ء میں فیڈرل شریعت کورٹ کے فیصلے سے جو نئی تاریخ شروع ہوئی تھی اسے اپیل کے "سرد خانے" میں "منجمد" کر دیا گیا ہے!

۳ ۔ موجودہ صورتحال

الف) بینکنگ

بینکوں کے operations میں فی الوقت مشکل ہی سے کوئی ایسا عمل ہو گا جس کے بارے میں وثوق سے کہا جا سکے کہ وہ عین شرعی اصولوں کے مطابق ہے۔ خاص طور پر بینکوں کی آمدنی والا حصہ! تفصیل درج ذیل ہے :

۱) آمدنی کے ذرائع : بینکوں میں جمع شدہ ایک خطیر رقم مندرجہ ذیل مدات میں منقسم ہے جس سے بینکوں کو آمدن حاصل ہوتی ہے۔

۱) سرکاری تمسکات (securities) میں سرمایہ کاری سے حاصل شدہ سود۔

۲) سٹیٹ بینک کی reserve requirement جس میں بینکوں کو اپنے کھاتوں کا کچھ حصہ لازماً سٹیٹ بینک میں رکھوانا ہوتا ہے، جس پر انہیں "بینک ریٹ" پر سود ملتا ہے۔

۳) کاروباری قرضوں سے حاصل شدہ سود (جس کے لئے مارک اپ کا نام استعمال ہو رہا ہے۔)

۴) Trade Bills (ہنڈیوں) کی خرید و فروخت، جو "مارک ڈاؤن" کی بنیاد پر خریدی بیچی جاتی ہیں۔ نیز قلیل مدت کے Over Draft جاری کئے جاتے ہیں جن پر مارک اپ (سود) وصول کیا جاتا ہے۔

۵) طویل اور قلیل مدتوں کی دیگر نجی ضروریات کے لئے قرضوں پر سود!

۶) فنانشل لیزنگ سے حاصل شدہ مارک اپ۔ آمدنی کی اس مد میں بینک، لیزنگ کمپنی یا مضاربہ کمپنی مختلف اداروں یا افراد کو مشینیں، آلات، زمین، عمارت اور گاڑی

وغیرہ کی خرید کے لئے قرضہ فراہم کرتی ہے۔ خرید کردہ شے کو رقم فراہم کنندہ کی ملکیت تصور کیا جاتا ہے، اگرچہ وہ شے کی خرید، اس کی دیکھ بھال اور شکست و ریخت کے اخراجات سے بری الذمہ ہوتی ہے۔ لیزنگ کمپنی کو صرف اپنی اصل رقم اور مارک اپ سے دلچسپی ہوتی ہے اور اس کے لئے اس معاہدے میں کوئی کاروباری خطرہ (Business Risk) نہیں ہوتا۔

مندرجہ بالا تمام فنانسنگز میں مارک اپ کا اصول اپنایا گیا ہے جو اسلامک آئیڈیالوجی کونسل، فیڈرل شریعت کورٹ اور کمیشن فار اسلامائزیشن آف اکانومی سب کے نزدیک سود ہی ہے۔

۷) Operating Lease : یہ طریقہ شرعی اصول اجارہ کے قریب ہے۔ فنانسنگ کے اس طریقے میں لیزنگ کمپنی کو شے کی خرید، اس کی دیکھ بھال اور شکست و ریخت کے وہ جملہ خطرات اور اخراجات برداشت کرنا ہوتے ہیں جو شرعی اصول اجارہ کے تحت ضروری ہیں۔ اس کا استعمال اول تو بہت کم ہے، ثانیاً اس کی تفصیلات میں بھی بعض امور شرعی نظر سے قابل اعتراض ہیں۔

۸) مشارکہ : اس اصول کے تحت بھی بہت ہی تھوڑی سرمایہ کاری کی گئی ہے۔ لیکن قوانین ایسے بنائے گئے ہیں کہ نہ تو بینک کو نقصان اٹھانا پڑے اور نہ ہی اس کا منافع ایک خاص شرح سے نیچے آئے۔ جس سے یہ بھی سود ہی کے مشابہ ہو جاتا ہے۔

۹) P.T.C (Participatery Term Certificate) : یہ سرمایہ کاری طویل میعادی نفع و نقصان کی شراکتی بنیاد پر ایجاد کی گئی ہے وہ کاروباری ادارے جو طویل مدتی قرضے حاصل کرنے کے خواہشمند ہوں وہ نفع و نقصان میں شراکت کی بنیاد پر PTC جاری کرتے ہیں۔ مختلف بینک اور DFIs، ان PTCs کے عوض خواہشمند اداروں کو پہلے سے طے شدہ شرح منافع (Profit ratio) پر قرضے جاری کرتے ہیں، جبکہ نقصان کی تقسیم اصل زر کی مقدار کے مطابق ہوتی ہے۔ لیکن چونکہ اس طریقے میں بینکوں کے لئے بعض اندیشے (risk) تھے۔ لہٰذا 1989ء میں اسے ترک کر دیا گیا۔ P.T.C اگرچہ بعض جزئیات کے اعتبار سے غیر

اسلامی معاملہ تھا' تاہم غیر سودی مالیات کے ضمن میں یقیناً پیش رفت تھی۔ جسے بعد ازاں TFC (Term Finance Certificates) سے تبدیل کر دیا گیا' جو صریحاً مارک اپ اور مرکب سود کی ایک شکل ہے۔

۱۰) **تعمیراتی فنانسنگ** : 1979ء میں اس کا آغاز Rent Sharing کی بنیاد پر کیا گیا جو شرعی نقطہ نگاہ سے ایک قابل عمل تجویز تھی' لیکن اس وقت اس مد سے فنانسنگ اصل زر' مدت' اور افراط زر کی شرح دیکھ کر ایسے انداز میں کی جا رہی ہے جو سودی طریق ہی کی مختلف شکل ہے۔

۱۱) **NIT اور ICP کی سکیمیں** : ان دو اداروں نے گھریلو بچتوں کو نفع و نقصان میں شراکت کی بنیاد پر جمع کرنے کا آغاز کیا۔ لیکن بعد ازاں ان کی سرمایہ کاری P.L.S اکاؤنٹ اور T.F.C اور Financial Leasing میں بھی ہونے لگی جس سے ان میں بھی سود کی جزوی آلائش شامل ہو گئی۔

۲) <u>ادائیگیاں</u> : بینکوں کو دو اہم مدوں میں ادائیگیاں کرنی ہوتی ہیں :

۱) کھاتے (Deposits) : اس مد میں بینک اپنے مجموعی منافع میں سے' جو اکثر و بیشتر سود پر حاصل کیا جاتا ہے' کچھ حصہ کھاتہ داروں کو تقسیم کر دیتا ہے اور بڑا حصہ خود اپنے پاس رکھ لیتا ہے۔

۲) قرض (Borrowing of a commercial bank from other banks) : دوسرے بینکوں سے قرض پر سود کی شکل میں ادائیگی ہوتی ہے جبکہ سٹیٹ بینک کو نفع و نقصان کی بنیاد پر ادائیگی کی جاتی ہے۔

ب) <u>حکومت کے لین دین</u>

حکومت کے اکثر لین دین قرض پر مبنی ہوتے ہیں' جو کہ سود کے ساتھ لئے دیئے جاتے ہیں۔ مثلاً :

۱) سٹیٹ بینک سے قرضہ مارک اپ کی بنیاد پر

۲) صوبائی حکومتوں کو مرکزی حکومت کا سودی قرضہ
۳) حکومت کا اپنے ملازمین کو سودی بنیاد پر مکان اور گاڑی وغیرہ کے لئے قرضہ
۴) سرکاری ملازمین کے پراویڈنٹ فنڈ (Provident Fund) پر سود کی ادائیگی
۵) حکومت کی بڑے پیمانے پر مختلف بچتوں کی سکیموں اور مختلف بانڈز کے تحت عوام سے قرضے اور ان پر سود کی ادائیگی
۶) بیرونی قرضوں پر سود کی ادائیگی اور وصولی
۷) مرکزی حکومت کا نیم خود مختار اداروں کو سود پر قرضہ

۴۔ مستقبل کے امکانات

(الف) : مندرجہ ذیل بنیادوں پر غیر سودی بینکاری نظام کو مستقل طور پر استوار کیا جا سکتا ہے۔

i) شراکتی سرمایہ کاری، یعنی مضاربہ اور مشارکہ کی بنیاد پر نفع و نقصان میں شراکت۔
ii) بیع مؤجل، بیع سَلم اور اجارہ (Leasing) کی بنیاد پر عقود بیع اور عقود اجارہ۔
iii) TMCL (Time Multiple Counter Loan) کی بنیاد پر قلیل اور طویل مدتی قرضے برائے صارفین، تاجرین اور حکومت۔ (تجویز کردہ شیخ محمود احمد مرحوم مصنف "سود کی متبادل اساس" انگریزی و اردو، اور ایک ضخیم کتاب "MAN AND MONEY" جو ابھی زیر طبع ہے!)
iv) قرض حسنہ برائے صارفین و حکومت

(ب) : ان بنیادوں پر بینکنگ کے نظام کا خاکہ کچھ اس طرح ہو گا کہ ایک طرف بینک نجی بچتیں کرنٹ اکاؤنٹ اور پی ایل ایس سیونگ اکاؤنٹ کی بنیاد پر اکٹھی کریں گے۔ اور دوسری طرف اوپر دیئے گئے Options کے مطابق سرمایہ کاری کی جائے گی۔

۱) اس مقصد کے لئے کرنٹ اکاؤنٹ کے علاوہ عام کھاتہ داروں سے نفع و نقصان کی بنیاد پر رقم وصول کی جائے گی، جو کہ مضاربہ اکاؤنٹ، مشارکہ اکاؤنٹ، اجارہ اکاؤنٹ کے تحت ہوں گے۔ منافع کا تناسب بینک اور کھاتہ داروں کے درمیان پہلے سے طے

کیا جائے گا۔ مثلاً [1/2 : 1/2]' [1/4 : 3/4]' [1/3 : 2/3]
وغیرہ۔ متذکرہ بالا تینوں کھاتوں کو الگ الگ ایڈمنسٹر کیا جائے گا۔

۲) یہ رقم بینک سرمایہ کاروں کو انہی مدات میں مہیا کریں گے اور ان سے شرح منافع الگ طے کریں گے (شرح منافع سرمائے کی طلب و رسد کے مطابق طے ہوں گے)

۳) بچتوں کا یہ حساب سالانہ کے علاوہ روزانہ کی بنیاد پر بھی لگایا جائے گا اور ہر سال کے آغاز میں منافع کے تقسیم کی شرح طے کی جائے گی۔

۴) بعض تجارتی قرضے' ٹریڈ بلز وغیرہ TMCL کے تحت مہیا کئے جائیں گے۔

۵) ہاؤس فانسنگ مشارکہ متناقصہ (شرکت عنان)' ٹریڈنگ اجارہ اور اجارہ و اکتناع کی بنیاد پر مہیا کئے جائیں گے۔

۶) بینکوں کا سٹیٹ بینک سے مالی تعلق مضاربہ' P.T.C اور قرضہ حسنہ کی بنیاد پر استوار ہو گا۔

۵۔ انسدادِ سود کے لئے عملی اقدامات

الف) اصولی اور عمومی اقدامات

۱) دستور پاکستان میں وہ جملہ ترامیم فوری طور پر کردی جائیں جن سے پاکستان کو کم از کم اصولی اور دستوری سطح پر اسلامی ریاست یا نظام خلافت کا درجہ حاصل ہو جائے! اس سے عوام میں عزم نو بیدار ہو گا اور ایثار اور قربانی کا قومی جذبہ پیدا ہو گا۔

۲) حکومت پاکستان سود سے متعلق فیڈرل شریعت کورٹ کے فیصلہ کے خلاف اپیل تو فوراً واپس لے لے' البتہ اس کی تنفیذ کے لئے کچھ مہلت حاصل کر لے!

۳) ربا کی حرمت اور اس کی خباثت کو آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے حوالے سے جملہ ذرائع ابلاغ کے ذریعے عام کیا جائے' تاکہ

لوگ فرمانِ الٰہی : "یَاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَذَرُوْا مَا بَقِیَ مِنَ الرِّبٰوا اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ" (البقرہ : ۲۷۸) کے مطابق سود کو چھوڑنے کے لئے نقصان برداشت کرنے کے لئے ذہناً و قلباً آمادہ ہوں۔

۴) "کمیشن فار اسلامائزیشن آف اکانومی" کو مؤثر بنانے کے لئے اس میں نسبتاً بڑے پیمانے پر ماہرین و علماء کو شامل کیا جائے اور انہیں اس کام کے لئے کُل وقتی بنیاد پر مصروف کیا جائے۔ مزید برآں انہیں وسیع تر اختیارات دیئے جائیں تاکہ وہ انسدادِ سود کے عمل کی نگرانی بہتر طریق پر کر سکیں۔

۵) حکومتی قرضوں کو کم کرنے کے لئے بجٹ کے خسارے کو کم کیا جائے اور اس کے لئے اخراجات میں کمی اور ٹیکسوں کے نظام کو مستعد اور حقیقت مندانہ بنایا جائے۔

۶) عدالتی نظام کو مؤثر اور مستعد بنایا جائے اور عام افراد کو سودی مقدمے ختم کرانے کے لئے عدالتوں میں جانے کی اجازت ہو۔ اس کے لئے سود کو ختم کرنے کی ضروری عدالتی ترمیمات درکار ہوں گی۔ یہ عمل سود کے خاتمے کے لئے built-in mechanism مہیا کرے گا۔

۷) نئے ادارے وجود میں لائے جائیں جن کے تحت شرعی طور پر جائز تجارتی لین دین کیا جا سکے۔

۸) چونکہ سرمایہ یا نقد پر "ربا" کی لعنت کو بالکلیہ اس وقت تک ختم نہیں کیا جا سکتا جب تک زراعت کو بھی "ربا" سے پاک نہ کر دیا جائے' لہٰذا جاگیرداری اور غیر حاضر زمینداری میں سے بھی غیر اسلامی عنصر کو ختم کرنے کے لئے اقدامات کا آغاز کیا جائے۔

ب) فوری اور لازمی اقدامات

۱) صوبائی اور وفاقی حکومتوں کے باہمی قرضوں نیز وفاقی حکومت کے سٹیٹ بینک سے قرضے پر سود فوری طور پر ختم کر دیا جائے۔ اس لئے کہ اس سے آمدن اور

اخراجات پر منجملہ کوئی اثر نہیں پڑے گا۔ یہ کام فوری کرنا چاہئے۔

۲) نیم سرکاری اداروں اور کارپوریشنوں جیسے واپڈا' ریلوے اور PTC وغیرہ کو جو قرضے حکومت نے دیئے ہیں ان کو فوری طور پر "ایکویٹی" میں تبدیل کر دیا جائے!

۳) حکومت کی بچت سکیموں کے تحت حکومتی قرضوں پر مشتمل ہر نوع کے بانڈز' سرٹیفکیٹ اور سیکیورٹیز وغیرہ پر سود کی ادائیگی فوری طور پر بند کی جائے۔ نیز ان قرضوں کے اصل زر کی ادائیگی کے لئے مناسب لائحہ عمل کا اعلان کیا جائے۔

۴) سرکاری ملازمین کو مکان' کار یا موٹر سائیکل کی خرید کے لئے دیئے جانے والے قرضوں پر سے سود لینے اور GPF پر سود دینے کو فوراً ساقط کر دیا جائے!

۵) بینک فنانسنگ کو حسب ذیل صورتوں میں از سر نو محدود کر دیا جائے' جیسے یکم جنوری ۸۱ء سے کیا گیا تھا۔

۶) بین الاقوامی سودی قرضوں کی ایڈجسٹمنٹ کے لئے Debt-Equity Swap کا طریقہ اختیار کیا جاسکتا ہے (اس طریقے میں غیر ملکی حکومتوں / اداروں کو اس بات کی اجازت دی جاتی ہے کہ وہ اپنے واجب الوصول قرضوں کے عوض ملک کے اندر حقیقی سرمایہ کاری کریں جس کے لئے حکومت انہیں لوکل کرنسی میں رقم مہیا کرنے اور ان کے منافع کی ادائیگی زرمبادلہ کی صورت میں کرنے کی ضمانت دیتی ہے)۔ اس کے لئے Latin American ممالک کا تجربہ مفید ہو گا۔

۷) تجارتی بینکوں کے لئے اجازت ہو کہ وہ real investment' اور trading وغیرہ کے شعبوں میں بھی سرمایہ کاری کر سکیں۔ اس میں نہ کوئی شرعی قباحت آڑے آتی ہے اور نہ ہی کوئی دوسری مشکل ہے۔

۸) سٹاک مارکیٹ میں سٹہ بازی کی صریح ممانعت ہو اور حصص کی صرف حقیقی خرید و فروخت کی اجازت دی جائے۔

۹) بینکوں کے آڈٹ کا شرعی اعتبار سے ایک اضافی محکم نظام قائم کیا جائے۔
۱۰) "قرض اتارو اور ملک سنوارو مہم" میں سے پہلی دو صورتوں کو برقرار رکھتے ہوئے تیسری یعنی "بچت اکاؤنٹ" کو فوراً ختم کیا جائے۔ اور اس کی بجائے زکوٰۃ وصول کی جائے جس کے ضمن میں یہ ضمانت دی جائے کہ یہ صرف اور صرف اور براہ راست ملکی قرضے کی ادائیگی میں صرف ہو گی!

وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا (العنکبوت)

اسلامی نظامِ عدل و انصاف —— ایک درخشاں مثال

ایک دفعہ حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ انتہائی خوشگوار موڈ میں بیٹھے باتیں کر رہے تھے کہ اچانک ایک یہودی آگیا اور کہنے لگا کہ "میں علیؓ پر دعویٰ کرنے آیا ہوں!" یہ لمحہ دونوں صحابہ کرام کے لئے حیران کن تھا۔ خلیفہ وقت حضرت عمرؓ نے حضرت علیؓ کی طرف دیکھا اور فرمایا: "اے ابوالحسن اس شخص کے مقابل کھڑے ہو جاؤ اور دعویٰ کی جواب دہی کرو"۔ ذرا غور فرمایئے: اسلامی نظام عدل میں نہ کچہری، نہ عدالت، نہ وکیل، نہ درخواست، بلکہ کورٹ فیس کی بھی ضرورت نہیں۔ لیکن جب خلیفہ وقت نے دونوں اصحاب کے بیانات سنے تو معلوم ہوا کہ یہودی سراسر جھوٹا ہے۔ امیرالمومنین نے اس کا دعویٰ خارج کر دیا۔ یہودی فیصلہ سن کر واپس چلا گیا۔

یہودی کے جانے کے بعد حضرت عمرؓ نے حضرت علیؓ سے دریافت فرمایا: "اے علی المرتضیٰ! جب میں نے آپ کو یہودی کے برابر کھڑا ہونے کے لئے کہا تو آپ کی پیشانی پر سلوٹیں کیوں نمودار ہوئی تھیں؟ کیا آپ کو اس کے برابر کھڑا ہونا ناگوار گزرا تھا؟"

حضرت علیؓ نے فرمایا: "نہیں ایسی تو کوئی بات نہیں تھی۔ آپ کو یاد ہو گا کہ آپ نے مجھے میرے نام کی بجائے کنیت یعنی ابوالحسن کے نام سے پکارا تھا (یاد رہے کہ اہل عرب کے ہاں کسی کو کنیت سے مخاطب کرنا عزت کی نشانی سمجھا جاتا ہے)۔ اس طرح مجھے یہ خدشہ ہوا کہ یہودی کہیں یہ نہ سمجھ لے کہ عدالت ایک فریق کو اتنے ادب و احترام سے کیوں مخاطب کر رہی ہے اور کہیں انصاف میں بھی اس کی طرف داری تو نہ ہو گی"۔ (اخذ: وسیم احمد، لاہور)

حِبِّ رسول : حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ

____ پروفیسر محمد یونس جنجوعہ ____

حضرت زید بن حارثہ رسول اللہ ﷺ کے آزاد کردہ غلام تھے۔ وہ آپ کے محبوب صحابی تھے۔ تمام صحابہ کرام ان کو حب الرسول اور ان کے صاحبزادے حضرت اسامہ کو حب بن حب کہتے تھے۔ اصحاب رسول ﷺ میں سے یہ شرف صرف زید ہی کو حاصل ہے کہ ان کا نام صراحت کے ساتھ قرآن مجید میں آیا ہے۔ اسی فضیلت کی بنا پر بعض لوگوں نے حضرت زید کو افضل الصحابہ قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ اگر وہ زندہ رہتے تو حضور ﷺ کے بعد خلیفہ ہوتے۔

حضرت زیدؓ قبیلہ کلب کے ایک شخص حارثہ بن شرجیل کے بیٹے تھے۔ ان کی ماں سعدی بنت ثعلبہ قبیلہ طے کی شاخ بنی معن سے تھیں۔ ابھی ان کی عمر آٹھ سال تھی کہ یہ اپنی والدہ کے ساتھ سفر پر جا رہے تھے کہ راستے میں قبیلہ بنی قین کے لوگوں نے حملہ کر کے لوٹ مار کی اور کچھ لوگوں کو پکڑ کر لے گئے جن میں زید بھی شامل تھے۔ زید کو عکاظ کے میلے میں حکیم بن حزام کے ہاتھ بیچ دیا گیا جو کہ حضرت خدیجہ کے بھتیجے تھے۔ انہوں نے یہ غلام مکہ میں لا کر اپنی پھوپھی صاحبہ کے حوالے کر دیا۔ جب حضرت خدیجہؓ کا نکاح آنحضرت ﷺ کے ساتھ ہوا تو زید حضرت خدیجہؓ کے ہاں موجود تھے۔ آپؐ کو زید کے عادات و اطوار اس قدر پسند آئے کہ آپؐ نے انہیں حضرت خدیجہ سے مانگ لیا۔ ادھر زید کے گھر والے اس کے فراق میں غم سے نڈھال ہو رہے تھے۔ قدرت کا کرنا ایسا ہوا کہ بنی کلب کے چند افراد حج کے ارادے سے مکہ آئے تو زید کو دیکھ کر پہچان لیا۔ اس طرح زید کے گھر والوں کو زید کی خبر لگ گئی۔ چنانچہ زید کے والد حارثہ، چچا کعب اور بھائی بھاگے ہوئے مکہ پہنچے۔ حضور کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ آپؐ زید کو معاوضہ لے کر ہمارے

حوالے کر دیجئے۔ حضورؐ نے فرمایا : میں بچے کو بلاتا ہوں اور اسی کی مرضی پر چھوڑے دیتا ہوں کہ وہ میرے پاس رہنا پسند کرتا ہے یا آپ کے ساتھ جانا چاہتا ہے۔ اگر وہ آپ لوگوں کے ساتھ جانا چاہے گا تو میں کوئی فدیہ لئے بغیر اسے آپ کے حوالے کر دوں گا۔ آپ کی یہ باتیں سن کر وہ بہت خوش ہوئے۔ چنانچہ زید کو بلایا گیا اور اس کے باپ اور چچا کے سامنے اس کے ساتھ بات کی گئی اور دونوں صورتیں اس کے سامنے پیش کی گئیں۔ زید نے جواب دیا کہ میں آپؐ پر کسی کو ترجیح نہیں دے سکتا۔ میرے باپ اور چچا جو کچھ بھی ہیں آپؐ ہیں۔ حارثہ یہ سن کر نہایت مضطرب ہوئے اور کہنے لگے زید کس قدر افسوس ہے کہ تو غلامی کو آزادی پر ترجیح دیتا ہے اور اپنے ماں باپ اور خاندان کو چھوڑ کر غیروں کے پاس رہنا چاہتا ہے۔ زید نے جواب دیا : اس ہستی کے ساتھ رہ کر میری آنکھوں نے جو کچھ دیکھا ہے اس کے بعد دنیا و مافیہا کو اس کے سامنے ہیچ سمجھتا ہوں۔ زید کا یہ جواب سن کر باپ اور چچا بخوشی راضی ہو گئے۔ حضورؐ نے اسی وقت زید کو آزاد کر دیا اور حرم میں جا کر قریش کے مجمع عام میں اعلان کرا دیا کہ آپ سب لوگ گواہ رہیں آج سے زید میرا بیٹا ہے۔ یہ مجھ سے وراثت پائے گا اور میں اس سے۔ حارثہ نے یہ سنا تو اور بھی خوش ہوا۔ باپ اور چچا دونوں مطمئن ہو کر واپس چلے گئے۔ اب وہ کبھی کبھی مکہ آتے اور زید کو دیکھ کر آنکھیں ٹھنڈی کر لیتے۔ چونکہ زید کو آپؐ نے آزاد کر کے بیٹا بنا لیا تھا، اس لئے لوگ اب زید کو زید بن محمد پکارنے لگے تھے۔

چالیس سال کی عمر میں جب آپؐ نے اعلان نبوت کیا تو زید کی عمر ۳۰ سال تھی۔ اعلان نبوت کے ساتھ ہی آپ کی بیوی حضرت خدیجہ، آپ کے چچا زاد بھائی حضرت علیؓ جو آپ ہی کے گھر پرورش پا رہے تھے اور آپ کے دوست حضرت ابو بکر صدیقؓ ایمان لے آئے اور ان کے ساتھ ہی زید نے بھی لبیک کہا اور یوں وہ ان چار ممتاز ہستیوں میں شامل ہو گئے جنہوں نے سب سے پہلے اسلام قبول کیا۔

اسلام حقیقت پسندانہ رویہ کا قائل ہے۔ لہٰذا حقیقت کے مقابلے میں مصنوعیت کو قبول نہیں کرتا۔ رائج الوقت دستور کے موافق متبنیٰ کی حیثیت بالکل حقیقی بیٹے کے سی تسلیم کی جاتی تھی مگر اسلام نے اس کی اصلاح کر دی۔ چنانچہ سورۃ الاحزاب کی آیت نمبر ۶

میں فرمایا :

﴿ وَمَا جَعَلَ اَدْعِيَاءَ كُمْ اَبْنَاءَ كُمْ ' ذٰلِكُمْ قَوْلُكُمْ بِاَفْوَاهِكُمْ ' وَاللّٰهُ يَقُولُ الْحَقَّ وَهُوَ يَهْدِى السَّبِيلَ ' اُدْعُوهُمْ لِاٰبَائِهِمْ ' هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ... ﴾

"اور نہ اس نے تمہارے منہ بولے بیٹوں کو تمہارا حقیقی بیٹا بنایا ہے۔ یہ تو وہ باتیں ہیں جو تم لوگ اپنے منہ سے نکال دیتے ہو مگر اللہ وہ بات کرتا ہے جو مبنی برحقیقت ہے اور وہی صحیح طریقے کی طرف راہنمائی کرتا ہے۔ منہ بولے بیٹوں کو ان کے باپوں کی نسبت سے پکارو۔ یہ اللہ کے نزدیک زیادہ منصفانہ بات ہے"۔

اس واضح ہدایت کے آ جانے کے بعد مسلمان زید بن محمدؐ کے بجائے زید بن حارثہ کہنے لگے۔ جیسا کہ آغاز میں بیان کیا گیا کہ حضرت زید ہی وہ واحد صحابی ہیں جن کا نام قرآن حکیم میں مذکور ہے۔ اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے علامہ شبیر احمد عثمانی لکھتے ہیں :

"چونکہ قرآن کے حکم موافق ان کے نام سے اس نسبت عظیمہ کا شرف جدا کر لیا گیا تھا۔ شاید اس کی تلافی کے لئے تمام صحابہ کے مجمع میں سے صرف ان کو یہ شرف بخشا گیا کہ ان کا نام قرآن میں تصریحاً وارد ہوا"۔

زید آپؐ کے لئے گھر کے دوسرے افراد ہی کی طرح تھے۔ آپ نے ان کا نکاح اپنی دودھ پلائی ام ایمن سے کر دیا جن کے بطن سے حضرت اسامہؓ پیدا ہوئے۔ بعد ازاں آپ نے ارادہ فرمایا کہ ان کا نکاح اپنی پھوپھی زاد بہن زینب بنت جحش سے کر دیا جائے۔ چونکہ زینب ہاشمی خاندان کی چشم و چراغ تھیں اور زید بہرحال آزاد کردہ غلام تھے' لہٰذا زینب اور اس کے بھائی عبداللہ بن جحش اس عقد پر راضی نہ ہوئے تب وحی الٰہی کے ذریعے ایک فیصلہ کن بات بتا دی گئی کہ جس بات کا حکم اللہ اور اس کا رسول دیں پھر اس کی خلاف ورزی کسی کے لئے جائز نہیں۔ فرمایا :

﴿ وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُولُهٗ اَمْرًا اَنْ يَّكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ' وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُولَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِينًا ○ ﴾ (الاحزاب : ۳۶)

"جب اللہ اور اس کا رسول کوئی فیصلہ کر دے تو پھر کسی مرد مومن اور عورت مومنہ کو ان کے معاملہ میں کوئی اختیار باقی نہیں رہتا اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے بلاشبہ وہ کھلی گمراہی میں پڑ گیا"۔

اس آیت کے سنتے ہی حضرت زینب اور ان کے گھر والوں نے بلا تامل سر اطاعت خم کر دیا۔ چنانچہ اس کے بعد نبی اکرم ﷺ نے ان کا نکاح پڑھایا۔ آپؐ نے خود حضرت زید کی جانب سے دس دینار اور ساٹھ درہم مہر ادا کیا اور کچھ کپڑے اور سامان خوراک گھر کے خرچ کے لئے بھجوا دیئے۔

حضرت زینب حضرت زیدؓ کے ساتھ عقد نکاح میں منسلک تو ہو گئیں مگر وہ اس احساس کو کسی طرح نہ مٹا سکیں کہ زید ایک آزاد کردہ غلام ہیں اور ان کے اپنے خاندان کے پروردہ ہیں۔ وہ عرب کے شریف ترین گھرانے کی بیٹی ہونے کے باوجود اس کمتر درجے کے آدمی سے بیاہی گئی ہیں۔ اس احساس کی وجہ سے ازدواجی زندگی میں انہوں نے کبھی زید کو اپنے برابر کا نہ سمجھا۔ ادھر حضرت زید کو اس بات کا گہرا احساس تھا کہ وہ عرب کے معزز ترین شخص حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ بولے بیٹے ہیں اور حضرت زینب پر ان کو قوامیت کا شرف حاصل ہے۔ چنانچہ یہ دو متضاد ذہنیتیں تھیں جن کے سبب میاں بیوی کے درمیان محبت اور الفت کا رشتہ استوار نہ ہو سکا اور تلخیاں بڑھنے لگیں۔ حضرت زید نے کئی بار حضور اکرمؐ سے شکایت کی مگر حضورؐ اسے سمجھاتے رہے کہ نباہ کرنے کی کوشش کرو۔ ظاہر ہے کہ حضرت زید نے حالات کو بہتر کرنے کی پوری سعی کی ہو گی مگر اللہ تعالیٰ کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ ابھی ایک سال سے کچھ ہی زیادہ مدت گزری تھی کہ نوبت طلاق تک پہنچ گئی اور میاں بیوی کے درمیان علیحدگی ہو گئی۔

اگرچہ اس سے قبل متبنیٰ کے بارے میں حکم آچکا تھا' تاہم اللہ تعالیٰ کو منظور یہ تھا کہ اس پر عمل درآمد کے لئے حضور اکرمؐ کی سیرت سے نمونہ پیش کیا جائے۔ چنانچہ آپؐ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ اشارہ مل گیا کہ زید جب اپنی بیوی کو طلاق دے چکیں تو ان کی مطلقہ خاتون سے آپ کو نکاح کرنا ہو گا۔ یہ آنحضرتؐ کے لئے بہت بڑی آزمائش تھی اور بربنائے بشریت آپ کے قلب میں یہ جذبہ پیدا ہوا کہ زید زینب کو طلاق نہ دے تاکہ

زینب کے خاندان کی توہین بھی نہ ہو اور میں بھی منافقین اور مشرکین کے اس طعن و تشنیع سے محفوظ رہ جاؤں کہ محمد نے اپنے بیٹے کی بیوی کو اپنی بیوی بنالیا ہے۔ اسی بناپر آپؐ مسلسل زید کو طلاق دینے سے باز رکھتے رہے لیکن جب زید نے طلاق دے کر زینب کو فارغ کردیا اور عدت گزر گئی تو بحکم خداوندی حضورؐ نے حضرت زینب سے نکاح کرلیا۔

اس صورتحال کو قرآن پاک میں سورۃ الاحزاب کی آیت ۳۷ میں بیان کیا گیا ہے :

﴿ وَاِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِیْٓ اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاَنْعَمْتَ عَلَیْہِ اَمْسِکْ عَلَیْکَ زَوْجَکَ وَاتَّقِ اللّٰہَ وَتُخْفِیْ فِیْ نَفْسِکَ مَا اللّٰہُ مُبْدِیْہِ وَتَخْشَی النَّاسَ ۚ وَاللّٰہُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشٰہُ ؕ فَلَمَّا قَضٰی زَیْدٌ مِّنْہَا وَطَرًا زَوَّجْنٰکَہَا لِکَیْ لَا یَکُوْنَ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ حَرَجٌ فِیْٓ اَزْوَاجِ اَدْعِیَآئِہِمْ اِذَا قَضَوْا مِنْہُنَّ وَطَرًا ؕ وَکَانَ اَمْرُ اللّٰہِ مَفْعُوْلًا ۝ ﴾

"اور وہ وقت قابل ذکر ہے کہ جب تم اس شخص سے کہتے تھے جس پر اللہ نے اور تم نے انعام کیا کہ اپنی بیوی کو روکے رکھ (اور طلاق نہ دے) اور اللہ سے ڈر اور صورتحال یہ تھی کہ تم اپنے جی میں اس بات کو چھپائے ہوئے تھے جس کو اللہ ظاہر کرنے والا تھا اور تم لوگوں (کے طعن و تشنیع) سے ڈرتے تھے اور اللہ زیادہ مستحق ہے کہ اس سے خوف کیا جائے۔ سو جب زید اپنی حاجت پوری کرچکا (اور اس نے طلاق دے دی) تو ہم نے اس (زینب) کا نکاح تجھ سے کرادیا تاکہ آئندہ مسلمانوں پر یہ تنگی نہ رہے کہ وہ اپنے منہ بولے بیٹے کی بیویوں سے نکاح نہ کرسکیں جب کہ ان کے منہ بولے بیٹے اپنی حاجت پوری کرلیں (یعنی طلاق دے دیں) اور اللہ یہ حکم اٹل ہے"۔

رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت میں آکر حضرت زینب بجا طور پر امہات المومنین کو کہا کرتی تھیں کہ تمہارے نکاح تو زمین پر ہوئے مگر میرا نکاح آسمان پر رب العزت نے رسول پاکؐ کے ساتھ کیا۔ اور واقعی یہ وہ شرف ہے جو حضرت زینب کے لئے حقیقتاً وجہ افتخار ہے۔ اس طرح حضرت زینب بھی خوش ہوگئیں اور متبنیٰ کی بیوی کے ساتھ نکاح کا جواز بھی ثابت ہوگیا۔ بلکہ کفار و مشرکین کی طرف سے اٹھائے گئے طوفان کا

جامع جواب بھی قرآن پاک میں نازل ہو گیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی بیٹا نہیں ہے۔ پس زینب تو زید بن حارثہ کی بیوی تھی نہ کہ آپؐ کے بیٹے کی۔ فرمایا :

﴿ مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ﴾

"محمد تم مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں بلکہ اللہ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں"۔

رسول پاک ﷺ کو آپ کے ساتھ بے حد محبت تھی۔ طبقات ابن سعد کے مطابق حضرت زید کو آپؐ نے نو دفعہ سپہ سالار بنا کر بھیجا۔ آپ نے تقریباً تمام معروف معرکوں میں شرکت کی۔ غزوۃ المریسیع میں آپ شامل نہ ہوئے کیونکہ آنحضرتؐ نے آپ کو مدینہ میں اپنے جانشین کی حیثیت سے چھوڑا تھا۔ حضرت زید تیر اندازی میں انتہائی مہارت رکھتے تھے اور اس فن میں ان کا کوئی ثانی نہ تھا۔

رسول پاکؐ کو حضرت زید کے بیٹے اسامہ سے بھی بہت پیار تھا۔ جس طرح آپؐ اپنے نواسوں حسنؓ اور حسینؓ کو گود میں بٹھاتے اسی طرح اسامہ کو بھی بٹھاتے۔ ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ حضرت عمر خلیفہؓ دوم نے اسامہ کا وظیفہ میرے وظیفہ سے زیادہ مقرر کیا تھا۔ میں نے وجہ پوچھی تو حضرت عمرؓ نے کہا اے بیٹے اسامہ آنحضرت ﷺ کو تجھ سے زیادہ پیارے تھے اور اس کا باپ تیرے باپ سے زیادہ آپؐ کو محبوب تھا۔

آنحضرت ﷺ کے سفیر حضرت حارث بن عمر ازدی قیصر روم کے نام آپؐ کی طرف سے نامہ مبارک لے جا رہے تھے کہ شرجیل بن عمر غسانی نے انہیں شہید کر دیا۔ آپؐ کو اس بد عہدی پر بڑا رنج ہوا۔ آپؐ نے تین ہزار مجاہدین اسلام کو حارث کا انتقام لینے کے لئے روانہ کیا۔ اور سپہ سالار حضرت زید کو مقرر کیا اور فرمایا کہ اگر زید شہید ہو جائیں تو حضرت جعفر طیار اور اگر وہ بھی شہید ہو جائیں تو حضرت عبداللہ بن رواحہ کو سپہ سالار بنایا جائے۔ یہ معرکہ جمادی الاول ۸ ہجری کو موتہ کے مقام پر ہوا۔ اس جنگ میں حضرت زید نے شہادت پائی' بعد ازاں حضرت جعفر طیار اور عبداللہ بن رواحہ بھی شہید ہوئے۔ ان کے بعد حضرت خالد بن ولید کے ہاتھوں یہ معرکہ سر ہوا۔ جب آپؐ نے

حضرت زید کی شہادت کی خبر سنی تو بڑے رنجیدہ ہوئے اور وفور جذبات سے آپ کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔ آپ کو اپنے وفاشعار غلام کی مفارقت کا اس قدر غم تھا کہ حجتہ الوداع سے واپسی پر ان کے صاحبزادے حضرت اسامہ کی سرکردگی میں ایک فوج کو انتقام کے لئے مامور فرمایا۔ اس وقت حضرت اسامہ نہایت کم عمر تھے۔ بعض لوگوں نے اس پر اعتراض بھی کیا' مگر آپ نے فرمایا : خدا کی قسم زید امارت کے لائق اور محبوب ترین شخص تھا اور اس کے بعد اسامہ مجھے سب سے زیادہ محبوب ہے۔ یہ مہم ابھی روانہ نہ ہوئی تھی کہ آفتاب رسالت غروب ہو گیا لیکن خلیفہ اول نے ہجوم مصائب اور صعوبات گوناگوں کے بعد اس لشکر کو کوچ کا حکم دیا۔ چنانچہ حضرت اسامہؓ نے اپنے باپ کے قاتلوں سے انتقام لے کر غیر معمولی کامیابی کے ساتھ مدینہ واپس آئے۔

بقیہ: حقیقتِ تصوف

ہوا۔ اس حوالے سے میں نے آپ کے سامنے اپنا موقف رکھ دیا ہے۔ اگر اس میں کوئی خیر ہے تو منجانب اللہ ہے' یا پھر آپ لوگوں کا حسنِ نظر ہے۔ اس میں کوئی شر ہے' خطا یا غلطی ہے' تو میں خود بھی اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرتا ہوں' اور آپ کے لئے بھی دعاگو ہوں کہ وہ اسے آپ کے حافظے سے محو کر دے۔

یہی کچھ ہے ساقی متاعِ فقیر
اسی سے فقیری میں ہوں میں امیر
مرے قافلے میں لٹا دے اسے
لٹا دے ٹھکانے لگا دے اسے!

مقاصدِ تصوف کے بعض پہلو آج کی گفتگو میں زیر بحث نہیں آئے' جیسے مقامِ صبر' مقامِ رضا' مقامِ توکّل' لیکن یہ تمام موضوعات سورۂ تغابن کے درس میں موجود ہیں۔

اقول قولی ھٰذا واستغفرُ اللّٰہَ لی وَلکم ولسائرِ المُسلِمین وَالمُسلِمات ○○

(مرتب : ڈاکٹر احمد افضال)

دعوت و تبلیغ کی اہمیت

سید محمد آزاد، میرپور (آزاد کشمیر)

قرآن مجید کی سورۂ آل عمران کی آیت نمبر ۱۰۴ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے :

﴿ وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ۚ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ○﴾

"اور تم میں ایک جماعت لازماً موجود ہونی چاہئے جو خیر اور بھلائی کی طرف دعوت دے اور نیکیوں کا حکم دے، اور برائیوں سے روکے۔ اور وہی لوگ فلاح پانے والے ہوں گے۔"

تبلیغ

تبلیغ کے لغوی معنی ہیں : "انتہا تک یا آخری ٹھکانے تک پہنچانا"۔ محاورہ میں کہتے ہیں : بَلَّغَ مِنّی کَلامُکَ "تیرے کلام نے مجھے انتہائی متاثر کیا۔"

دینی اصطلاح میں تبلیغ سے مراد ہے اللہ تعالیٰ کا پیغام وضاحت کے ساتھ انسانوں تک پہنچانا۔ قرآن حکیم میں اسے "بلاغ" بھی کہا گیا ہے۔ بعض جگہ "بلاغ مبین" کے الفاظ بھی آئے ہیں لیکن بلاغ مبین نبی سے مختص ہے کیونکہ وہی اس کا پورا حق ادا کر سکتا ہے۔ مزید برآں تبلیغ کے لئے "ابلاغ" کا لفظ بھی مستعمل ہے۔ تبلیغ جہاں غیر مسلم کو ہونی چاہئے وہاں مسلم کو بھی ہونی چاہئے۔ غیر مسلم تک اسلام کا پیغام پہنچانا ضروری ہے اور اسی طرح مسلمانوں کو بھی برائیوں سے پرہیز کرنے اور حقیقی مومن بننے کی تلقین ضروری ہے۔ اسلام صرف روحانی ہی نہیں بلکہ مادی فلاح کا بھی ضامن ہے۔ اس لئے ہر عہد میں اسلامی تبلیغ کی ضرورت رہی ہے۔ آج جبکہ دنیا روحانی تنزل اور مادی پریشانیوں کے پنجے میں

گرفتار ہے' اس بات کی شدید ضرورت ہے کہ اسلام کے صحیح تعلیمات کو دنیا کے سامنے پیش کیا جائے۔ موجودہ دنیا کو جس قدر روگ لگے ہوئے ہیں اس کی شفاء قرآن حکیم میں موجود ہے۔ لہٰذا قرآن حکیم کا شفا بخش پیغام پوری نوع انسانی تک پہنچانا وقت کی نہایت اہم ضرورت ہے۔

آج دنیا بھر کے سربراہ عالمی برادری کے طلب گار ہیں اور پکار رہے ہیں کہ جب تک عالمگیر پیمانے پر ایک اخوت قائم نہیں ہوتی ہمارے دکھوں کا علاج نہیں ہو سکے گا۔ اب یہ ثابت کرنا مسلمانوں کا کام ہے کہ اسلام نے اس برادری کو چودہ سو سال پہلے قائم کر دکھایا ہے۔ یہ وہ برادری ہے جس میں کالے اور گورے' شرقی و غربی اور امیر و غریب سب کے لئے برابر کی گنجائش ہے۔

قرآن حکیم کی ایک بہت ہی مختصر مگر نہایت اہم سورت "العصر" سے یہ حقیقت ثابت ہوتی ہے کہ اگر نیکی کی تبلیغ رک جائے تو نوع انسانی گھاٹے میں رہتی ہے۔ نیکی محض ٹھہراؤ کا نام نہیں ہے بلکہ حرکت کا نام ہے۔ اگر اس میں پھیلاؤ اور وسعت پیدا نہ کی جائے تو یہ سکڑتی ہے اور جلد یا بدیر ختم ہو جاتی ہے۔ اسلام کی نگاہ میں کاملاً اور حقیقتاً نیک وہ ہے جو اوروں کو بھی نیک بنانے کی تڑپ رکھتا ہو۔ جو نیکی انسان کے اپنے اندر ہی گم ہو اور اس کی روشنی ارد گرد نہ پھیل رہی ہو عین ممکن ہے کہ وہ محض فریب ہو۔ اس لئے کہ لنگڑی لولی نیکی جو انسانیت کی خدمت سے قاصر ہو اس کا ہونا نہ ہونا برابر ہے۔

امر بالمعروف و نہی عن المنکر

نیکی کی اشاعت سے پہلے ضروری ہے کہ اسے بدی کی یورشوں سے محفوظ کر دیا جائے۔ جب تک برائی کا سدباب نہ ہو نیکی کی اشاعت مشکل ہے۔ اس لئے اسلام میں برائی کو روکنے اور نیکی کو رائج کرنے کا ساتھ ساتھ حکم ہے۔ اسے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کہتے ہیں۔ اس لحاظ سے تبلیغ کے دو اجزاء ہیں (۱) نیکی کی اشاعت اور (۲) برائی کا انسداد۔

ہر مسلمان اسلام کا مبلغ ہوتا ہے' چنانچہ اسے اپنی حد استطاعت تک اسلام کی تبلیغ

کرنی چاہئے۔ جب تک کسی قوم میں برائی کو روکنے والے افراد موجود رہتے ہیں اس میں ترقی کی صلاحیت باقی رہتی ہے۔ ملت میں تبلیغ وارشاد اور تعلیم و تزکیہ کے فرائض انجام دینے والے گروہ کا وجود ضروری ہے۔ اسی ضرورت کی اہمیت مذکورہ بالا آیت نمبر ۱۰۴ میں بیان ہوئی ہے۔ ہادی اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی امت کو فرمان ہے :

"اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے تمہیں لازماً اچھائی کا حکم دینا ہے اور برائی سے روکنا ہے' ورنہ عین ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ تم پر عذاب بھیج دے' پھر تم اسے پکارو تو تمہاری دعا قبول نہ کی جائے۔" (ترمذی)

ملت کی ذمہ داریاں اجتماعی ہیں۔ ہم فقط اپنی اصلاح کر کے فرض سے سبکدوش نہیں ہو سکتے' کیونکہ فرد کی ہستی ملت سے وابستہ ہے۔ وہ اس کے خیر و شر میں حصہ دار ہوتا ہے۔ اخلاق میں متعدی تاثیر ہوتی ہے۔ اچھے اخلاق کو دیکھ کر دل میں نیکی کا رجحان پیدا ہو سکتا ہے اور برے اخلاق والے کے ہاتھوں اور لوگ بھی برائیوں میں پڑ سکتے ہیں۔ اگر برائی کا مقابلہ قوت اور استقامت سے نہ کیا جائے تو اس کا دائرۂ اثر نہایت تیزی سے پھیلنے لگتا ہے۔ نبی اکرم ﷺ کی حدیث مبارک ہے کہ بنی اسرائیل میں جب خرابی واقع ہوئی تو یوں ہوا کہ جب کوئی اسرائیلی اپنے بھائی کو گناہ کرتا دیکھتا تو اسے منع کرتا تھا۔ پھر دوسرا دن آتا اور اسے اسی کام میں مشغول پاتا تو نہ روکتا بلکہ اس کا ہم نوالہ و ہم پیالہ و ہم جلیس ہوتا تھا۔ پس اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو خلط ملط کر دیا اور ان کے بارے میں (سورۃ المائدہ کی آیات)

لُعِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنۢ بَنِي إِسْرَاءِيلَ .... فَاسِقُونَ نازل ہوئیں۔ آنحضرت ﷺ تکیہ سے ٹیک لگائے ہوئے تھے۔ یہ آیات پڑھ کر بیٹھ گئے اور صحابہؓ سے فرمایا : "تم برائی کے انسداد سے ہرگز نہ رکنا حتیٰ کہ ظالم کا ہاتھ پکڑ لو اور اسے حق کی طرف جھکا دو۔"

سورۃ العصر میں قطعیت کے ساتھ بتا دیا گیا ہے کہ صرف خود نیک بننے سے اسلام کا تقاضا پورا نہیں ہوتا جب تک کہ دوسروں کو بھی نیک بنانے اور نیکی پر ثابت قدم رکھنے کی کوشش نہ کی جائے۔ بداخلاقی کے وبائی جراثیم کو گردوپیش سے فنا کرنا ضروری ہے۔ اس سلسلہ میں جس قدر کوشش ہو سکے صرف کرنی چاہئے۔ جناب رسالت مآب ﷺ کا

ارشاد حضرت ابو سعید خدریؓ سے مروی ہے کہ "تم میں سے جو کوئی کسی برائی کو دیکھے تو اسے طاقت سے روکے، لیکن اگر اس کی طاقت نہ ہو تو زبان سے منع کرے، اور اگر اس کی بھی استطاعت نہ ہو تو کم از کم دل سے اس کو برا جانے، اور یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہو گا۔" کامل ترین درجہ یہ ہے کہ مسلمانوں کی جماعت میں اتنی قوت ہو کہ وہ زور بازو سے برائی کا سد باب کریں۔

تبلیغ اسلام کا حکم

جناب رسالت مآب ﷺ نے تبلیغ پر بہت زور دیا ہے۔ آپ کا ارشاد ہے: "بَلِّغُوا عَنِّی وَلَوْ آیَةً" یعنی "مجھ سے پیغام سن کر آگے پہنچاؤ چاہے ایک آیت ہی ہو۔" مزید فرمایا: "اللہ تعالیٰ اس شخص کو شادکام رکھے جو میری حدیث سن کر اشاعت کے لئے ازبر کرتا ہے۔ میرے خطبہ کا سننے والا اسے غیر موجود آدمیوں تک پہنچائے۔"

حضرت علیؓ خیبر میں یہود کے خلاف معرکہ آرائی کے لئے روانہ ہوئے تو جناب ہادی برحق ﷺ سے پوچھا: "کیا میں اس وقت تک تلوار چلاؤں کہ وہ ہماری راہ پر آ جائیں۔" آنحضورؐ نے فرمایا: "علیؓ! وقار اور سکون سے جا، جب ان کے دوبدو ہو تو انہیں اسلام کی دعوت دے اور اللہ کے حقوق بتا۔ اللہ کی قسم، شخص واحد کا تیرے ہاتھ پر اسلام لانا سرخ اونٹوں سے زیادہ قابل قدر ہے۔"

جناب ہادی برحق نے قرآن کی تبلیغ کا حق ادا کر دیا اور اس راہ میں بڑے بڑے دکھ برداشت کئے۔ قرآن حکیم سے ثابت ہوتا ہے کہ ہماری اس امت کا مقصد وجود ہی یہ ہے کہ نوع انسانی کو خیر کی طرف بلائے، نیکیوں کا حکم دے اور برائیوں سے لوگوں کو منع کرے اور خدا کی زمین پر خدائی فوجدار بن کر حدود الٰہی کا پاسبان بن کر رہے۔ یہی ایک مومن کا طرۂ امتیاز ہونا چاہئے۔

تبلیغ کے طریقے

تبلیغ کے دو طریقے ہیں: (۱) زبانی دعوت (۲) اخلاقی کشش۔

زبانی دعوت : زبانی تبلیغ نہایت صبر و تحمل اور حسن کلام سے ہونی چاہئے۔ ضروری نہیں کہ مخاطب فوراً ہدایت قبول کر لے۔ ہر شخص کو اپنے خیالات اور عمل سہانے نظر آتے ہیں۔ ممکن ہے وہ تبلیغ کو اپنے عقائد اور نظریات میں دخل اندازی سمجھ کر بھڑک اٹھے۔ لہٰذا داعی کو انتہائی سکون کا مظاہرہ کرنا چاہئے۔ زبان سے کوئی ایسا کلمہ ادا نہ کیا جائے جو فساد پیدا کرے۔ سورۃ الانعام میں اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو یہ ہدایت دی ہے کہ "اور تم برا نہ کہو ان کو جن کو وہ (مشرکین) اللہ کے سوا پکارتے ہیں' پس وہ نادانی میں اللہ کو برا کہنے لگیں گے۔ یوں ہم نے ہر فرقہ کی نظر میں اس کے اعمال مزین کر دیئے ہیں"۔

دوسرے مذاہب کے پیروؤں کو ان کے معبودوں اور پیشواؤں کے بارے میں گستاخانہ الفاظ استعمال کر کے رنجیدہ کرنا جائز نہیں۔ ان کے عقائد اور تصورات پر نہایت معقول طریقہ سے گفتگو ہونی چاہئے۔ سورۂ نحل کے آخری رکوع میں ارشاد ہے :

﴿اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَۃِ وَالْمَوْعِظَۃِ الْحَسَنَۃِ وَجَادِلْھُمْ بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ﴾

"انہیں حکمت اور دلپذیر نصیحت کے ساتھ اپنے رب کے راستہ کی دعوت دو اور بہترین انداز سے ان سے مباحثہ کرو"۔

اخلاقی کشش : اسی شخص کا کلام دل پر اثر کرتا ہے جو اپنے کہے پر عمل پیرا بھی ہو۔ نرے گفتار کے غازی کا کوئی اعتبار نہیں۔ مبلغ کتنا ہی شریں بیان ہو اگر اس کا اخلاق دلاویز نہ ہو تو اس کا وعظ اثر نہیں کرتا۔ جناب رسالت مآب ﷺ نے قرآن حکیم کا جو پیغام سنایا اور جس بات کی تلقین فرمائی اس پر پورا پورا عمل بھی کر کے دکھایا۔ آپ' مجسم قرآن تھے۔ آپ' نے اپنی حیات مبارکہ کا ایک ایک گوشہ لوگوں کے سامنے کھول کر رکھ دیا تاکہ کوئی یہ نہ کہے کہ شاید زندگی کا فلاں گوشہ جو ہماری نگاہوں سے اوجھل رہ گیا ہے اس میں (نعوذ باللہ) کوئی خامی یا عیب ہو گا۔ بڑے بڑے دشمن بھی آپ کے اخلاقی اعجاز کے سامنے مہر بہ لب رہ جاتے تھے۔ ابوجہل ایسا کینہ پرور دشمن بھی آپ کے اخلاقی کمال کا معترف تھا۔ اشاعت اسلام کی تاریخ دیکھئے تو معلوم ہو گا کہ تبلیغ کا کارنامہ زبانی پند و نصیحت سے زیادہ عملی تاثیر کا مرہون منت تھا۔ ملت اسلامیہ کا کردار رحمت الٰہی کی جھلک دکھاتا تھا۔ مسلمان

فاتح افواج جہاں جہاں پہنچیں وہاں کے باشندے ان کے حسن اخلاق سے مسحور ہو کر اسلام کے حلقہ بگوش ہوتے گئے۔ حضرت عمرؓ کی سادگی دیکھ کر ایک آتش پرست گورنر ایمان لے آیا تھا اور حضرت علیؓ کی عدل پروری نے ایک یہودی کو اسلام قبول کرنے پر مجبور کر دیا۔

موجودہ صورت حال

آج پورا عالم اسلام ایک افسوس ناک صورت حال سے دوچار ہے۔ حق و صداقت کے عالمگیر اصول رکھنے والا دین حق چاروں طرف سے کفر و باطل میں گھرا ہوا ہے۔ یہود و نصاریٰ اپنے مردہ مذاہب کی تبلیغ کے لئے دنیا بھر میں کوشاں نظر آتے ہیں مگر اسلام کے علمبردار غفلت کی نیند سوئے ہوئے ہیں۔ انہیں اپنے دین کی تبلیغ و اشاعت کا احساس ہی نہیں ہے' بلکہ وہ خود اسلام کی برکات سے محروم ہیں۔ عالم انسانیت کفر و ظلمت کے طوفانوں میں گھرا ہوا ہے مگر دین اسلام کے دعویدار خاموشی سے اپنی دنیا بنانے میں مصروف ہیں۔ کچھ ایسے نادان دوست بھی ہیں جو فرقہ پرستی کی لعنت میں گرفتار ہو کر امت کو پارہ پارہ کرنے کے ناپاک شغل میں مصروف کار ہیں۔ آج پوری امت مسلمہ فرقوں اور مسلکوں میں تقسیم ہے۔ مساجد اور مدارس میں اپنے اپنے فرقہ اور مسلک کی تبلیغ و اشاعت ہو رہی ہے۔ کتاب اللہ کی روشنی سے راستہ دیکھنے کی ضرورت ہی محسوس نہیں کی جاتی۔ قرآن حکیم کو صرف حصول ثواب بلکہ ایصال ثواب کے لئے تبرکاً پڑھا اور پڑھایا جا رہا ہے۔

بیسویں صدی کی تبلیغی مساعی

اس بیسویں صدی میں خاص طور پر برعظیم پاک و ہند میں کچھ دردمند لوگوں نے تبلیغ کا بیڑا اٹھایا اور مثبت انداز میں کچھ کام شروع ہوا' جس میں تبلیغی جماعت سب سے نمایاں ہے' مگر ان کے ہاں قرآن کریم کو ذریعہ تبلیغ نہیں بنایا گیا بلکہ صرف چند مسائل اور فضائل کی اشاعت پر ہی پوری توجہ مرکوز ہو کر رہ گئی۔ حالانکہ اسلام کا اصل آلہ تبلیغ صرف قرآن ہے اور حدیث قرآن کی توضیح و تشریح ہے۔ جماعت اسلامی نے اپنے آغاز میں فی الواقع قرآن حکیم کی تبلیغ سے کام شروع کیا اور اس کے بہت مفید نتائج برآمد ہوئے' مگر

انتخابی سیاست میں غیر معمولی مشغولیت سے قرآن حکیم کی تبلیغ کا کام تقریباً ختم ہو کر رہ گیا۔ تنظیم اسلامی پاکستان نے اپنی محدود بساط کے مطابق قرآن ہی کو اپنا مرکز و محور بنایا ہے اور اپنے تین اساسی و بنیادی فرائض (۱) عبادت رب (۲) دعوت و تبلیغ، اور (۳) اقامت دین کی جدوجہد، میں اس درمیانی فریضہ کو خصوصی اہمیت دی ہے اور اس سلسلہ میں امیر تنظیم اسلامی محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کی تبلیغی مساعی گزشتہ ربع صدی سے پورے کرۂ ارضی کو اپنے احاطہ میں لئے ہوئے ہیں۔ اور قرآن حکیم کی جس اعلیٰ علمی سطح پر تبلیغ و اشاعت کا سلسلہ جاری ہے اس کی کوئی دوسری مثال اس وقت دنیا میں موجود نہیں ہے۔ گویا یہ قرآن کی انقلابی دعوت ہے جو مشرق سے مغرب تک بحمد اللہ جاری ہے۔

امیر تنظیم اسلامی کی تبلیغی مساعی کی سب سے اہم خصوصیت یہ ہے کہ یہ اسلام اور قرآن کی تبلیغ ہے، کسی فرقہ یا مسلک کی تبلیغ نہیں ہے۔ یہ اتحاد امت کی تبلیغ ہے۔ یہ قرآن کی تبلیغ ہے جو کہ محفوظ ہے اور اسلام کی بنیاد ہے۔ یہ ہمارے دین کے مسلمات کی تبلیغ ہے۔ ایسی ہی تبلیغ سے امت مسلمہ اپنا کھویا ہوا وقار دوبارہ حاصل کر سکے گی۔ آج دین کے کچھ نادان دوست فرقہ پرستی کو ہوا دے رہے ہیں، حالانکہ قرآن کریم نے جہاں ملت اسلامیہ کو ایک تبلیغی نظام اور اصلاحی پروگرام کے اصول دیئے ہیں وہاں یہ بھی فرمایا کہ ﴿لاتکونوا کالذین تفرقوا﴾ یعنی "تم ان لوگوں جیسے نہ ہو جاؤ جنہوں نے فرقے بنائے اور گروہ در گروہ ہو گئے" سابقہ امتیں علم و ہدایت پانے کے بعد افتراق کا شکار ہو گئیں۔ لہٰذا امت مسلمہ کو پہلے دن سے ہی اللہ تعالیٰ نے متنبہ کر دیا کہ تفریق و انتشار اس امت کا شیوہ نہیں۔ چنانچہ تفرقہ بازی کا بازار گرم کرنے والوں کے لئے اللہ تعالیٰ نے عذاب عظیم کی وعید سنائی ہے۔ یہ عذاب، کفر و شرک یا بت پرستی پر نہیں بلکہ تفریق بین الامت کے جرم کی پاداش میں بیان ہوا ہے۔

الحمد للہ ثم الحمد للہ! کہ امیر تنظیم اسلامی کی رہنمائی میں رفقائے تنظیم کی ایک معتد بہ تعداد نے یہ راز پالیا ہے اور بہت سے جدید تعلیم یافتہ نوجوان قرآن کریم کا انقلاب آفریں پیغام چار دانگ عالم میں پھیلا رہے ہیں اور اس کے مفید نتائج بر آمد ہو رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان گراں قدر مساعی میں برکت عطا فرمائے! وَمَا توفیقُنا اِلَّا بِاللّٰہ!!

"مطالبۂ تکمیلِ دستورِ اسلامی"

تنظیم اسلامی کی مطالباتی مہم کا ایک تعارف

—— نعیم اختر عدنان ——

"تنظیم اسلامی معروف معنوں میں نہ سیاسی جماعت ہے اور نہ مذہبی فرقہ بلکہ ایک اسلامی انقلابی جماعت ہے جو اولاً پاکستان میں اور بالآخر پوری دنیا میں نظام خلافت کے قیام و نفاذ کے لئے نبوی طریق کار کی روشنی میں مصروف عمل ہے"۔ بیان کردہ مختصر سی عبارت تنظیم اسلامی کی دعوت' اس کے اہداف و مقاصد اور طریقہ کار کو واضح کرتی ہے۔

تنظیم اسلامی اپنے بانی امیر ڈاکٹر اسرار احمد کی قیادت میں گزشتہ بائیس سال سے دین کے انقلابی تصورات کو منفرد انداز میں ملک کے پڑھے لکھے طبقے اور عوام الناس تک پہنچا رہی ہے۔ تنظیم اسلامی کا یہ واضح اور دو ٹوک موقف ہے کہ پاکستان کا قیام مشیت خداوندی کی طویل المیعاد سکیم کا حصہ ہے۔ چنانچہ توقع ہے کہ نہ صرف پاکستان مثالی اسلامی فلاحی ریاست کی شکل اختیار کرے گا بلکہ پاکستان' افغانستان' ایران اور وسطی ایشیا کی مسلمان ریاستوں پر مشتمل مسلمانوں کا "عظیم تر علاقائی اتحاد" اسلام کے عالمی غلبے کی راہ ہموار کرے گا۔ گزشتہ کئی سالوں سے ڈاکٹر اسرار احمد ایک ہی صدا بلند کر رہے ہیں' ایک ہی پیغام لوگوں کو سنا رہے ہیں کہ "تنظیم اسلامی کا پیغام' نظام خلافت کا قیام"۔ درس قرآن کی محفل ہو یا خطبہ جمعہ کی تقریر' جلسہ عام ہو یا پریس کانفرنس ہر جگہ ڈاکٹر اسرار احمد اور تنظیم اسلامی کے وابستگان علامہ اقبال کے اس شعر کی تصویر کامل بنے نظر آتے ہیں ؎

تا خلافت کی بنا دنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر

ڈاکٹر صاحب کا استدلال ہے کہ پاکستان دنیا کا واحد ملک ہے جو اسلام کے نام پر قائم ہوا۔ دو قومی نظریئے کی بنا پر نئی مملکت کے قیام کو وہ بیسویں صدی کا عظیم ترین معجزہ قرار دیتے ہوئے ببانگ دہل کہتے ہیں کہ مملکت خداداد پاکستان کے قیام کے دو ہی سال بعد ملک

کی دستور ساز اسمبلی نے "قرار داد مقاصد" کو منظور کر کے پوری دنیا کو ورطہ حیرت میں ڈال دیا۔ دنیا میں رائج انسانی حاکمیت کے تصور کو رد کر کے مسلمانان پاکستان نے اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کے اقرار کا اعلان و اعتراف کر لیا۔ دنیا کی سب سے بڑی مسلم ریاست کی قانون ساز اسمبلی نے "سیکولرازم" کے لادینی نظام کی علمبردار دنیا کے سامنے ریاست کی سطح پر کلمہ شہادت ادا کر دیا۔ انسانی حقوق کے خود ساختہ علمبردار اس نوزائیدہ ریاست کی "کڑی نگرانی" کی ضرورت محسوس کرنے لگے۔ چنانچہ مسلمانان پاکستان یہود و نصاریٰ اور کمیونسٹ و ہندو سامراج کے مکرو فریب اور دسیسہ کاریوں کی لپیٹ میں آ گئے اور مستقبل کی اسلامی ریاست کو ہر طرف سے شیطانی ٹولے نے اپنے شکنجے میں جکڑنا شروع کر دیا۔ چنانچہ اہل پاکستان اکبرالٰہ آبادی کے اس شعر کی تصویر کامل بن گئے ؎

رقیبوں نے رپٹ لکھوائی ہے جا جا کے تھانے میں
کہ اکبر نام لیتا ہے خدا کا اس زمانے میں

انسانی حاکمیت سے باغی اور اللہ تعالیٰ کی فرمان برداری کی اقراری ملت اسلامیہ پاکستان نے آہستہ آہستہ اپنی منزل کی طرف سفر جاری رکھا جسے اگر کچھوے کی رفتار سے تشبیہ دی جائے تو چنداں غلط نہ ہو گا۔ ملکی دستور اور دیگر قوانین کو قرآن و سنت کے سانچے میں ڈھالنے کے لئے اسلامی نظریاتی کونسل کا ادارہ وجود میں آیا۔ اس ادارے میں چونکہ ملک کے تمام مذہبی مکاتب فکر کے نمائندہ افراد شامل ہوتے ہیں لہٰذا اس کی سفارشات اور تجاویز کو بڑی اہمیت حاصل ہو جاتی ہے۔ اس ادارے نے بھی پاکستان کو مستقبل کی اسلامی فلاحی ریاست بنانے کے لئے ٹھوس اور قابل عمل تجاویز مرتب کیں اور یہ سلسلہ تاحال جاری ہے۔

پاکستان کی دستور سازی کی تاریخ کو بعض وجوہات کی بنا پر قابل رشک قرار دینا ممکن نہیں، تاہم ۱۹۷۳ء میں ذوالفقار علی بھٹو پہلی دفعہ قوم کو "متفقہ دستور" دینے میں کامیاب ہو گئے۔ اس متفقہ دستور میں اسلام کو پاکستان کا سرکاری مذہب قرار دیا گیا اور ملک کا نام "اسلامی جمہوریہ پاکستان" قرار پایا۔ صدر اور وزیراعظم جیسے اعلیٰ ترین ریاستی مناصب کے لئے مسلمان ہونا آئینی تقاضا بنا دیا گیا۔ ۱۲ سال کا طویل عرصہ گزرنے کے بعد

ضیاء الحق مرحوم نے ۸۵ء میں "قرارداد مقاصد" کے الفاظ کو آئین کے دیباچے سے اٹھا کر دستور کا حصہ بنا دیا۔ نفاذ اسلام کی جانب پیش رفت کے لئے ٹھوس اور قابل عمل طریقہ کار اختیار کرتے ہوئے ضیاء الحق مرحوم نے وفاقی شرعی عدالت قائم کر دی۔ مگر افسوس کہ مرحوم صدر نے اپنے اقتدار کے تحفظ کے پیش نظر دستور سمیت عائلی' عدالتی اور معاشی معاملات و قوانین کو وفاقی شرعی عدالت کے دائرہ اختیار سے باہر رکھ کر اس عدالت کو عملاً غیر موثر بنادیا۔ مالیاتی شعبے سے متعلق وفاقی شرعی عدالت کے دائرہ اختیار پر پابندی "معین مدت" کے لئے عائد کی گئی تھی' جس کے اختتام پر وفاقی شرعی عدالت نے "بینک انٹرسٹ" کا تفصیلی جائزہ لے کر اسے ربا یعنی سود قرار دے دیا اور اس طرح سود کی حرمت کا تاریخ ساز فیصلہ صادر کر کے "عالم کفر" کو گویا مزید "خبردار" کر دیا۔ امریکہ اور اس کے حواری اپنے مفادات کے تحفظ کے لئے متحرک ہو گئے۔ چنانچہ "اسلامی ریاست" کے وزیر اعظم نے امریکہ اور عالمی مالیاتی اداروں کے دباؤ کے تحت سود کو حرام قرار دینے کے تاریخ ساز فیصلے کے خلاف نظر ثانی کی اپیل دائر کر دی۔ اس اپیل کی سماعت پانچ سال کا طویل عرصہ گزرنے کے باوجود "ہنوز دلی دور است" والا معاملہ بن چکی ہے۔

میاں نواز شریف نے اپنے گزشتہ دور حکومت میں ملک کے سب سے معزز ایوان یعنی قومی اسمبلی میں پوری قوم کے ساتھ یہ وعدہ کیا تھا کہ وہ دستور میں شریعت کو کامل بالادستی عطا کرنے والی ترمیم منظور کروائیں گے' مگر واحسرتا کہ ع "وہ وعدہ ہی کیا جو وفا ہو گیا"۔ وفاقی شرعی عدالت کے فیصلے کے خلاف اپیل کرنے اور شریعت کو بالادستی عطا کرنے والی مجوزہ ترمیم منظور کروانے کے وعدہ کی خلاف ورزی کی پاداش میں نواز شریف حکومت کو دو تہائی اکثریت کے باوجود اقتدار کے ایوانوں سے بے دخل کر دیا گیا۔

اس مختصر سی بے دخلی کے بعد اب نواز شریف کی قیادت میں مسلم لیگ کو ناقابل یقین' حیران کن اور بے مثال مینڈیٹ مل چکا ہے۔ ڈاکٹر اسرار احمد نے مسلم لیگ حکومت کے سربراہ کو اپنے خطبہ جمعہ میں مخلصانہ مشورے دیئے۔ اس تقریر کا کیسٹ میاں نواز شریف کے والد گرامی میاں محمد شریف صاحب کو ڈاکٹر صاحب نے ایک عدد مکتوب کے ساتھ ارسال کیا۔ ڈاکٹر صاحب کے اس خطاب کو میاں محمد شریف صاحب نے سنا اور اپنے

لائق اور فرمان بردار فرزندوں کو ڈاکٹر اسرار احمد کے سامنے لا بٹھایا۔ سیاست کو کھیل اور مذہب کو پیشہ نہ بنانے والے خادم دین ۔نے ملک کے حکمران خاندان کو دین و ملت کی سربلندی کے لئے چند مخلصانہ مشورے دیئے۔ امیر تنظیم اسلامی نے میاں صاحبان پر واضح کیا کہ پاکستان کو اسلامی ریاست بنانے کے لئے مسلم لیگ کے راستے میں اب کوئی دیوار حائل نہیں ہے۔ لہٰذا اگر میاں نواز شریف قرآن و سنت کو دستوری و قانونی، قومی اور صوبائی غرض ہر شعبے اور ہر سطح پر بالادستی دینے والی ترمیم منظور کروا لیتے ہیں تو اللہ تعالیٰ میاں نواز شریف کو مزید "نوازے" گا۔ وگرنہ اندیشہ ہے کہ ملت اسلامیہ پاکستان اور مسلم لیگ دونوں کے اصلاح احوال کا یہ آخری موقع ثابت ہو اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ آخری اتمام حجت ہو۔

انہی تجاویز اور مشوروں کو ایک موثر اور مضبوط آواز میں بدلنے کے لئے ڈاکٹر اسرار احمد کی قیادت و امارت میں تنظیم اسلامی نے تکمیل دستور اسلامی کی مہم کا آغاز کیا ہے۔ ہر پاکستانی مسلمان خواہ وہ مرد ہو یا عورت اس کا دینی فرض ہے کہ وہ تنظیم اسلامی کی اس مہم کا ساتھ دیتے ہوئے وزیراعظم میاں نواز شریف کے نام تنظیم اسلامی کا تیار کردہ پوسٹ کارڈ پوسٹ کرے، تاکہ موثر عوامی دباؤ کی اہمیت کے پیش نظر میاں نواز شریف پاکستان کو دنیا کی مثالی اسلامی ریاست بنانے کے لئے دستور میں شریعت کی بالادستی کی ترمیم منظور کرائیں، وفاقی شرعی عدالت کے دائرہ اختیار پر عائد پابندیاں ختم کریں، اور شرعی عدالت کے سود سے متعلق فیصلے کے خلاف نظرثانی کی اپیل واپس لے کر پاکستان کو عہد حاضر کی اسلامی ریاست بنا سکیں۔

ذیل میں اس ہینڈ بل کی عبارت درج کی جا رہی ہے جو تنظیم اسلامی اور تحریک خلافت کی "مطالبہ تکمیل دستور اسلامی" کی مہم میں بڑے پیمانے پر عام کیا جا رہا ہے :

"ہمارا مطالبہ، ہماری اپیل : دستور خلافت کی تکمیل !"

ہم پاکستان مسلم لیگ کے صدر جناب میاں محمد نواز شریف صاحب کو مبارکباد پیش کرتے ہیں کہ ان کی کوششوں اور قربانیوں سے مسلم لیگ کو نئی زندگی ملی اور تحریکِ

پاکستان کا ساجذبہ ایک بار پھر تازہ ہو گیا۔ ہم ملک و قوم کی اصلاح اور معاشی و اقتصادی بدحالی کے خاتمے کے ضمن میں وزیر اعظم پاکستان کے نیک جذبات کی بھی تہہ دل سے قدر کرتے ہیں۔ تاہم یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ وطن عزیز کی بقا اور اس کے استحکام کا راز یہاں شریعت اسلامی کے صحیح معنوں میں نفاذ اور نظام خلافت کے قیام ہی میں پوشیدہ ہے۔ ہمارا ایمان ہے کہ خلافت کا قیام اور شریعت کا نفاذ ہی دراصل ملک کے استحکام اور خوشحالی کا ضامن بنے گا۔ مزید برآں پاکستان اور اسلام کے دشمنوں کے مقابلے میں اللہ کی نصرت کے حصول کا یقینی ذریعہ بھی یہی ہے کہ ہم یہاں دین حق کے قیام و نفاذ کے لئے بھرپور طور پر سرگرم عمل ہو جائیں اور اس راہ کی ہر رکاوٹ کو ایمان و یقین اور عزم و ارادہ کی قوت سے دور کر دیں۔ اللہ کا یہ پختہ وعدہ ہے کہ اگر ہم خلوص و اخلاص کے ساتھ اس کی یعنی اس کے دین کی نصرت کریں گے تو وہ لازماً ہماری مدد کرے گا : "اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ"۔ (سورۃ محمد : آیت ۷) یعنی "اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو وہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے قدموں کو جما دے گا"۔ اور ظاہر بات ہے کہ اللہ تعالیٰ جس کا مددگار' پشت پناہ اور سہارا بن جائے اسے کسی اور سہارے کی ضرورت نہیں ؂

کیا ڈر ہے اگر ساری خدائی ہے مخالف
کافی ہے اگر ایک خدا میرے لئے ہے!

ہمارا حکومت وقت بالخصوص نواز شریف صاحب سے مطالبہ ہے کہ آپ اللہ کی مدد اور اس کی تائید کے بھروسے پر پاکستان میں نظام خلافت اور شریعت اسلامی کے حقیقی نفاذ کے لئے بلا تاخیر درج ذیل اقدامات کا اعلان کیجئے اور ان پر عملدر آمد کو یقینی بنائیے۔ اس لئے کہ آپ کو اسمبلی میں اتنی عظیم اکثریت حاصل ہے کہ آپ اس سلسلے میں دستور پاکستان میں ضروری ترامیم آسانی سے منظور کروا سکتے ہیں۔ یہ اللہ کا عطا کردہ سنہری موقع ہے جس سے فائدہ نہ اٹھانا اپنے پاؤں پر کلہاڑی چلانے کے مترادف ہو گا۔

☆ اس ضمن میں دستور میں حسب ذیل تبدیلیاں لازمی ہوں گی :

۱) دستور کی دفعہ ۲ میں شق (ب) کا اضافہ کیا جائے کہ : "پاکستان میں وفاقی' صوبائی'

ضلعی کسی بھی سطح پر کوئی قانون سازی کلی یا جزوی طور پر کتاب و سنت کے منافی نہیں کی جاسکے گی"۔

۲) پورے دستور میں جہاں بھی کوئی شے دستور کی دفعہ ۲۔الف (قرارداد مقاصد) کے منافی ہے یا خارج کیا جائے یا اسے بالوضاحت قرارداد مقاصد کے تابع کیا جائے۔

۳) دستور کی دفعہ ۲۰۳ (ب) کی ذیلی شق (ج) کے ذریعے فیڈرل شریعت کورٹ کے دائرہ کار سے جو استثناء دستور پاکستان، مسلم پرسنل لاء اور جوڈیشل لاز کو دیا گیا ہے اسے ختم کیا جائے۔

۴) وفاقی شرعی عدالت کے ججوں کی شرائط ملازمت کو ہائی کورٹ اور سپریم کورٹ کے ججوں کی طرح مستحکم بنایا جائے تاکہ وہ اپنے فرائض کی ادائیگی میں ہر قسم کے دباؤ سے مکمل طور پر آزاد ہوں!

☆ مزید برآں فیڈرل شریعت کورٹ نے جو فیصلہ بینک انٹرسٹ کے "ربا" اور اس کے نتیجے کے طور پر حرام مطلق ہونے کے ضمن میں دیا تھا اس کے خلاف اپیل واپس لی جائے اور ایک سال کے اندر اندر پاکستان کی معیشت کو سود کی لعنت سے پاک کرکے اللہ اور رسولؐ کے خلاف جنگ بند کر دی جائے۔ تاکہ اللہ کی نصرت و رحمت ملک اور ملت کے شامل حال ہو سکے!

جناب وزیراعظم! اگرچہ ہمیں معلوم ہے کہ نہ صرف یہ کہ پاکستان میں موجود بعض طبقات جن میں مفاد پرست عناصر بھی شامل ہیں اور بعض لادینی نظریات کے حامل لوگ بھی اس راہ میں روڑے اٹکائیں گے بلکہ بیرونی طور پر عالمی مالیاتی اداروں اور نیو ورلڈ آرڈر کی جانب سے بھی آپ پر شدید دباؤ ڈالا جائے گا۔ لیکن ہم آپ کو یقین دلاتے ہیں کہ اگر آپ نے اللہ اور اس کے رسولؐ اور اس کے دین سے وفاداری کا ثبوت دیتے ہوئے ہمت و جرات کے ساتھ یہ قدم اٹھایا تو نہ صرف یہ کہ اللہ کی نصرت و تائید ہر طرح سے آپ کو حاصل ہوگی بلکہ ملک کے تمام دینی و مذہبی عناصر آپ کی بھرپور تائید کریں گے اور پاکستان کا ہر باشعور مسلمان اس کام میں آپ کا دست و بازو بننے میں فخر محسوس کرے گا۔ اور روز قیامت بھی آپ ان شاء اللہ سرخرو ہوں گے اور آپ کا شمار امتِ محمدؐ کے

ان افراد میں ہو گا جن سے اللہ بھی راضی ہو گا اور جن پر نبی آخرالزماں صلی اللہ علیہ وسلم بھی بجا طور پر فخر کریں گے۔ اللہ آپ کا حامی و ناصر ہو۔

عزیزان وطن! ہم نے اسلامی جمہوریہ پاکستان کو دستوری سطح پر ایک مثالی اسلامی ریاست بنانے کے جذبے کے تحت اپنی بساط کے مطابق اللہ کی تائید و نصرت کے بھروسے پر ایک مطالباتی مہم کا آغاز کیا ہے۔ ہماری اس مہم کا عنوان ہے :

"مطالبۂ تکمیل دستورِ اسلامی"

ہم دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ میاں نواز شریف اور ان کی حکومت کو یہ مبارک قدم اٹھانے کی ہمت اور توفیق عطا فرمائے۔ ہم نے اس مطالباتی مہم کو مؤثر بنانے کے لئے ایسے پوسٹ کارڈ تیار کیئے ہیں جن پر مختصر الفاظ میں اپنا موقف اور دستور میں مجوزہ ترامیم درج کر دی ہیں۔ اگر یہ کارڈ پاکستان کے باشعور مسلمانوں کی طرف سے بڑی تعداد میں وزیر اعظم تک پہنچیں گے تو میاں نواز شریف اور ان کی کابینہ کو نہ صرف اس معاملے کی اہمیت بلکہ اس بات کا بھی اندازہ ہو گا کہ اس ملک کے عوام کی ایک بڑی تعداد فی الواقع اسلامی نظام کے قیام یا یوں کہیئے کہ نظام خلافت کے احیاء کی شدت کے ساتھ آرزومند ہے اور اگر وزیر اعظم پاکستان اس جانب مثبت پیش رفت کرتے ہیں تو مسلمانان پاکستان تمام فرقہ وارانہ اختلافات کو بھلا کر بھرپور طور پر ان کا ساتھ دیں گے اور یوں اگر اللہ نے چاہا تو قیام پاکستان کے پچاس برس بعد ایک مثالی اسلامی ریاست کے قیام کا وہ خواب ایک حقیقت بن کر سامنے آجائے گا جو کبھی علامہ اقبال اور قائد اعظم نے دیکھا تھا۔

عزیزان محترم! ہماری درخواست ہے کہ آپ حضرات پورے جذبہ ایمانی کے ساتھ اس مطالباتی مہم میں ہمارا ساتھ دیں۔ اپنے نام اور پتے کے ساتھ مذکورہ پوسٹ کارڈ اور ٹیلی گرام وزیر اعظم پاکستان کے نام بھیجئے اور اس کار خیر میں اپنا حصہ ڈالئے۔ یہ پوسٹ کارڈ اور ٹیلی گرام تنظیم اسلامی کے حلقہ جات اور مقامی دفاتر سے حاصل کیئے جا سکتے ہیں۔

المعلن : تحریک خلافت پاکستان و تنظیم اسلامی

Quarterly Journal of the Qur'an Academy

The Qur'anic Horizons

Patron: Dr. Israr Ahmad

April-June 1997 issue is now available!

CONTENTS

- **The Challenge of Secularism**
  (By Dr. Ahmed Afzaal)
- **The Achievements of the Islamic Revivalist Struggle and the Main Task Ahead**
  (By Dr. Israr Ahmad)
- **Why Tanzeem-e-Islami?**
  (By Imran N. Hosein)
- **The Case for Qur'anic Arabic**
  (By Akhtar H. Emon)
- **The Process of an Islamic Revolution**
  (By Dr. Israr Ahmad)

Send Orders to:

Markazi Anjuman Khuddam-ul-Qur'an Lahore

36-K, Model Town, Lahore-54700

Phone: 5869501-3 Fax:5834000 E-Mail: anjuman@brain.net.pk

KHALID TRADERS

IMPORTERS – INDENTORS – STOCKISTS & SUPPLIERS OF WIDE VARIETY OF BEARINGS, FROM SUPER – SMALL TO SUPER – LARGE

AUTHORIZED AGENTS NTN BEARINGS

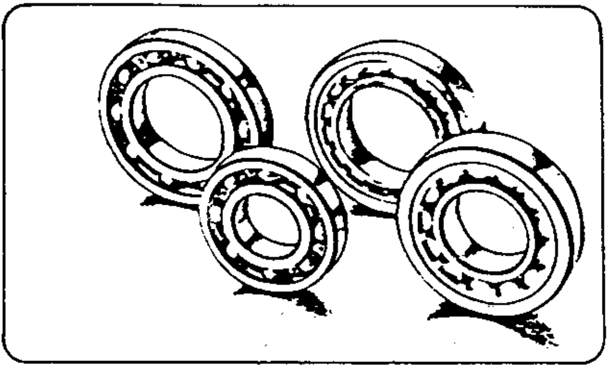

PLEASE CONTACT

TEL : 7732952-7735883-7730593
G.P.O. BOX NO. 1178, OPP KMC WORKSHOP
NISHTER ROAD, KARACHI-74200 (PAKISTAN)
TELEX : 24824 TARIQ PK CABLE : DIMAND BALL FAX : 7734776

FOR AUTOMOTIVE BEARINGS : Sind Bearing Agency 64 A-65, Manzoor Square Noman St. Plaza Quarters Karachi-74400 (Pakistan)
Tel : 7723358-7721172

LAHORE : (Opening Shortly)	Amin Arcade 42, Brandreth Road, Lahore-54000 Ph : 54169
GUJRANWALA :	1-Haider Shopping Centre, Circular Road, Gujranwala Tel : 41790-210607

WE MOVE FAST TO KEEP YOU MOVING

MONTHLY
Meesaq
LAHORE

Reg. No. CPL 125
Vol. 46 No. 4
Apr. 1997

برائے توجہ ملتزم رفقاء تنظیم اسلامی

تربیتی و مشاورتی اجتماع

برائے ملتزم رفقاء

بمقام : قرآن آڈیٹوریم (قرآن کالج)

۱۹۱۔ اتاترک بلاک' نیو گارڈن ٹاؤن لاہور

۲۱ / اپریل بعد نماز عصر تا ۲۴ / اپریل دوپہر

منعقد ہو گا' ان شاء اللہ۔

- شرکاء کے قیام و طعام کا انتظام قرآن کالج ہی میں ہو گا۔
- اخراجات طعام کا تخمینہ -/۱۰۰ روپے فی کس ہے' اور یہ متعلقہ ناظم حلقہ کے پاس جمع ہو گا۔
- شرکاء موسم کے مطابق بستر اور کھانے کے برتن مثلاً پلیٹ' کپ' چمچ وغیرہ ساتھ لے کر آئیں۔
- شرکاء ۲۱ / اپریل کو ۳ بجے سہ پہر سے قبل قرآن کالج میں قائم استقبالیہ پر رپورٹ کریں۔

المعلن : محمد اشرف وصی' ناظم اجتماع